فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ (القرآن)

مُحدِّث

مدیر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہاہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر ربینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔   ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ **محدث** لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **محدّث** لاہور

جلد ۸	شوال، ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ	عدد ۱۰، ۱۱

فہرست مضامین

۱- فکر و نظر ..... شریعت (اسلامی قانون) کی عملداری میں تاخیر ... اداریہ ۲

۲- التفسیر والتعبیر ..... سورۃ البقرۃ (۲۴) .... مولانا عزیز زبیدی ۱۴

۳- دارالافتاء ..... غوث، قطب اور ابدال کا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے ...... مولانا سیف الرحمان ۲۲

۴- تحقیق و تنقید ..... اسلام کا قانون جنایت ..... مولانا برق التوحیدی ۳۲

۵- مقالات ... ہجری تقویم (قسط ۲) .... مولانا عبدالرحمان کیلانی ۵۰

۶- تاریخ و سیر ..... حضرت خنساء بنت عمروؓ ارثی العرب ... جناب طالب ہاشمی ۶۱

۷- شعر و ادب ..... نفسی نفسی کا ایک عالم ہے (غزل) ... اسرار احمد سہاروی ۶۴

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

صفحہ ۲ سے ۱۳ تک

حافظ عبدالرحمن مدنی — طابع: چودھری رشید احمد — مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۴- شارع فاطمہ جناح، لاہور

مؤمن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

جب سے پاکستان میں سرکاری سطح پر شریعت کی عملداری کے لئے کوششوں نے سنجیدہ صورت اختیار کی ہے، بعض حلقوں کی طرف سے مختلف شکلوں میں اس کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو گیا ہے جس کی ظاہری ہیئت اگرچہ الحمد للہ محاذ آرائی کی نہیں ہے کیونکہ ملتِ پاکستان جن قربانیوں کی بدولت اس مقام تک پہنچی ہے ان کے بعد کسی کو برسرِ عام اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تاہم ایسی سازشوں کا زیادہ تر تعلق تبدیلیٔ نظام کی الجھنوں کی اہمیت بیان کرنے سے ہے تاکہ ملت کی ساری توجہ ان کی طرف لگ کر اسے منزلِ مقصود بھول جائے۔ آجکل مندرجہ ذیل رکاوٹوں کا ذکر عام سننے میں آ رہا ہے:-

اسلام کی کارفرمائی ارتقائی عمل ہے اس لئے یہ بتدریج ہی ہونا چاہیئے۔ معاشرتی فضا ناموافق ہے پہلے تربیت کی ضرورت ہے اس کے لئے اسلامی مشینری موجود نہیں ہے۔ اسلامی قانون کی مکمل متفقہ تدوینِ جدید کے بغیر یہ کام نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ! بالآخر تان یہاں آکر ٹوٹتی ہے کہ شریعت تو چودہ صدیاں قبل سے مکمل نافذ ہے کسی قانونی اقدام کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم چاہتے ہیں کہ ان شبہات کا مختصر طور پر ایک جائزہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ دیں تاکہ عوامی رائے کے تعاون سے اس کلمۂ حق کی فرمانروائی کے ذمہ دار ایک مسلمان کے صحیح اندازِ فکر سے درپیش مسائل سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ معذرتوں کے پس پردہ ہمیں تو یوں نظر آ رہا ہے جیسے نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ نے اس بیسویں صدی میں ہمیں شریعت کی عملداری کا مکلف بنا کر بے یار و مددگار چھوڑ رکھا ہے اور قرآن کریم کی روشنی اور اس میں اللہ کی نصرت کے وعدے صرف وعظ کہنے والوں کیلئے ہیں، عملی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

وعلى الله فليتوكل المؤمنون — ومن يتق الله يجعل له مخرجا — ومن يتوكل على الله فهو حسبه

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں شریعت (اسلامی قانون) کی عملداری میں تاخیر!!

۱۴ ماہ ——— ملّی راہنماؤں کے لیے لمحۂ فکریہ

پاکستان میں تحریک "نظامِ مصطفیٰ" کے نتیجہ میں ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو موجودہ عبوری حکومت برسرِ اقتدار آئی تو اس کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان نے اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں اپنے خطابات اور بیانات میں بڑے مخلصانہ اور حوصلہ مندانہ خیالات کا اظہار فرمایا جس سے مسلمانوں کو عموماً اور "تحریک نظامِ مصطفیٰ" کے لیے قربانیاں دینے والوں کو خصوصاً امید پیدا ہوئی کہ تینتیس ۳۱ سال کے شدید انتظار کے بعد اب وہ سعید گھڑی آنے کو ہی ہے جب پاکستان میں سرکاری سطح پر اسلام کا دور دورہ ہو گا۔ یہ خطۂ زمین حسبِ وعدہ ہر ذی نفس کے لیے امن و امان کا گہوارہ بنے گا اور دورِ حاضر میں اسلام کی مثالی تجربہ گاہ اور کلمۃ اللہ کی بلندی کا روشن مینار ثابت ہو گا ...... ان شاء اللہ۔

اب تقریباً چودہ ماہ سے مسلمانوں کا انتظار روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ وہ کون سا مبارک دن ہو گا جب ہماری حکومت ہر عدالتی اور انتظامی حکم کے لیے کتاب و سنت کی مطابقت کا سرکاری اعلان کر دے گی جو پاکستان میں شریعت کی عملداری کی طرف پہلا قدم ہو گا گویا جیسے ایک شہری اسلام کی حدود میں داخل ہونے کے لیے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا زبان سے اقرار کرتا ہے ایسے ہی حکومت اپنے دستور و قانون میں کتاب و سنت کی بالادستی کے اعلان سے "کلمہ طیبہ" پڑھتی ہے لیکن جہاں یہ انتظار طول طویل ہوتا جا رہا ہے وہاں اسلامی نظام کو ناقابلِ عمل ثابت کرنے اور شریعت کی عملداری کو مشکوک بنانے کے لیے مختلف انداز سے کئی بے کار بحثوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اسلام چودہ صد سال قبل سے نافذ ہے اگر عوام اسلام پر عمل پیرا ہوں تو کسی اعلان کی ضرورت نہیں۔ کبھی شریعت اسلام پر سرکاری طور پر عمل درآمد کے لیے "تدریج" کی باتیں کی جاتی ہیں اور اگر پھر بھی عوام کی

بے قراری باقی رہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ کام دو تین دن میں نہیں ہو سکتا، یہ کام کم از کم دو تین سال میں ممکن ہے۔ سمجھدار مسلمانوں کو ایسے خیالات کی اشاعت سے اگرچہ ان کے بے بنیاد ہونے کا شبہ بھی نہیں پڑ سکتا کیونکہ ان کا ایمان بدیہی طور پر اس فکری غلطی کی نشاندہی کر رہا ہے لیکن جس طرح بعض اسلامی ذہن کی حامل اور اسلام کے نام پر سیاسی قیادت کی دعویدار جماعتوں نے بھی موقعہ بہ موقعہ ان خیالات کی تائید کی ہے یا کم از کم خاموشی اختیار کی ہے اس سے واقعی ملت کے بہی خواہوں کو پریشانی ہوتی ہے۔ نیز ان جماعتوں کے طرزِ عمل سے بعض سادہ لوح بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو رہے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ شبہات کے ازالہ کے لیے اسلام کی بنیادی لائنیں واضح کر دی جائیں تاکہ ان شبہات کے مبلغ دانشور طبقہ کی خام خیالی کا پردہ چاک ہو جائے۔

یہ درست ہے کہ اسلام چودہ صدیاں قبل سے مکمل طور پر نافذ ہے[۱]۔ اسی لیے ہم نماز روزہ کرتے ہیں لیکن اس سے یہ مطلب لینا بالکل غلط ہے کہ قانونی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی شعبوں میں جن میں آج کل کی حکومتیں تمام عوامی اختیارات کی نمائندہ بنی ہوتی ہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی غیر اسلامی نظام کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں حالانکہ بلاشبہ ان شعبوں میں بھی چودہ صدیاں قبل سے اسلام نافذ ہے اور ان شعبوں میں کلیدی اختیارات کی حامل حکومتیں اور ادارے اسی طرح مخاطب ہیں جس طرح ایک عام آدمی نماز، روزہ کا مخاطب ہے۔ شریعت کے خطاب میں تو نماز، زکوٰۃ کی حد تک بھی شہری اور حکومت کی طبقاتی تقسیم نہیں ہے اور قرآن کریم میں تقریباً ہر جگہ یہ حکم عام ہے۔ بلکہ تمکن فی الارض[۲] کی صورت میں زیادہ اختیارات کے حامل ادارے نماز، زکوٰۃ

---

[۱] واضح رہے کہ اسلام کے نفاذ کی بات قانونی نقطۂ نظر سے ہو رہی ہے جہاں تک عملی نفاذ کی بات ہے وہ اقرار سے شروع ہو کر پوری زندگی کو اللہ کے حکم کے مطابق ڈھلنے کا نام ہے اسی لیے ہم عموماً نفاذ اور تنفیذ کے الفاظ سے بچ کر شریعت کے قیام، ترویج اور عملداری کی بات کرتے ہیں تاکہ اشتباہ نہ ہو۔

[۲] اللہ کا ارشاد ہے۔ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج: ۴۱) (اللہ مدد ان لوگوں کی مدد کریں گے) جنھیں اگر زمین میں جگہ ملے تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ ہمارے نزدیک یہ خطاب اگرچہ عام ہے شہری ہو یا حکومت لیکن اختیارات کے مختلف میدانوں میں اس کی ذمہ داریاں حکومت کی سطح پر زیادہ اور زور دار ہیں۔

کے نظام کی ترویج اور دوسروں سے یہ کام کروانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا قانونی حیثیت سے غور فرمائیے تو جن شعبوں میں ہم اسلام کے مخاطب ہو کر شریعت کی عملداری نہیں کرتے ان میں ہم خدائی حاکمیت کے باغی بنتے ہیں۔ جب کوئی قانون نافذ العمل ہو تو اس کی اتباع سے علی الاعلان انحراف "بغاوت" ہوتا ہے ہم چودہ صدیاں قبل سے شریعت کے نفاذ کی بات کر کے "اعلان" سے بچنا چاہتے تھے لیکن اس "صحیح تصور" نے ہمیں اسلام کی رُو سے باغی بنا دیا۔ اسی تصور نے "اسلام کے بتدریج نفاذ" کا نظریہ بھی باطل کر دیا کیونکہ شریعت چودہ صدیاں قبل مکمل ہو چکی ہے۔ ہم مکمل شریعت کے ہی مخاطب ہیں۔ انبیاء پر شریعت کے درجہ بدرجہ اترنے کے قیاس سے اب کئی قسطوں میں "نفاذ شریعت" کا اعلان قطعاً غلط ہے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ کلمہ طیبہ کی طرح کا اعلان ہر شخص (فرد ہو یا ادارہ، شہری ہو یا حکومت) کا فوری فریضہ ہوتا ہے اس بارے میں ایک لمحہ کا بھی موقعہ مل جائے تو تاخیر کی گنجائش نہیں۔ اس سلسلہ میں مخلص مسلمان کا طرزِ عمل حضرت ابو ذر غفاری کے اس اظہار سے واضح ہے:۔

"اگر تم میری گدی پر تلوار رکھ دو پھر میں اتنی مہلت پاؤں کہ کلمہ حق زبان سے کہہ سکوں تو اس سے قبل کہ تم میری گردن کاٹو میں اس کلمہ کو نافذ کر دوں گا۔"

یوں تو دنیا بھر میں مسلمان اپنی حد تک انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اسلامی تعلیمات کو جزوی طور پر اپنائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں میں بھی حکومت کی سطح پر شریعت کے قیام کا نعرہ ایک "مؤثر انقلابی قوت" اختیار کر چکا ہے۔ لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی تحریکوں میں بے پناہ قربانیوں کے بعد جب مملکت میں اسلامی قانون کی عملداری کا مرحلہ آتا ہے تو کبھی پہلے "معاشرتی حالات کو سازگار بنانے" اور کبھی "اسلامی قانون کی متفقہ تدوین" کی باتیں شروع کر دی جاتی ہیں۔ سیاسی اعتبار سے شاید یہ حربہ کامیاب ہو لیکن ذرا اندازہ کیجیے ان زخموں کا جو اسلام کا پھل چکھنے کے لیے "تحریک" کے دوران جیالوں نے اپنا تن من دھن قربان کر کے کھائے ہوئے ہیں کہ انہیں ایسے چرکوں سے تازہ کیا جاتا ہے؟

ہم سمجھتے ہیں ایسی باتوں کا جواب مسلمان کی سوچ سے بڑا سادہ ہے کہ جب اللہ کی کتاب "قرآن کریم" مکمل دستورِ زندگی کی صورت میں تا قیامت نافذ ہے تو کیا اس میں ان الجھنوں کا حل موجود نہیں جو حکومت کی طرف سے کتاب و سنت کی بالادستی کے فوری اعلان کے ضمن میں پیش آسکتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دریا میں کودنے سے قبل ان مشکلات سے خلاصی

حاصل نہیں کی جا سکتی جو تیاری کے دوران میں پیش آ سکتی ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ کتاب و سنت کے عملی نفاذ سے قبل متذکرہ بالا دو مرحلوں سے گزرنا ضروری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسلمان قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہوئے ایک طرف ہر قانونی، عدالتی اور انتظامی حکم کو کفر، ظلم اور فسق سمجھتے ہیں[1] تو دوسری طرف حکومتی سطح پر کتاب و سنت کی دستوری حیثیت یعنی اس اہم شعبہ میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اعلان کیے بغیر فضا کی استواری کی امید رکھتے ہیں۔ اگر حکومت کے لیے کتاب و سنت کو اپنائے بغیر فرد و معاشرہ[2] کا مزاج اسلام سے ہم آہنگ ہو سکتا ہے تو ایک شخص کل کلاں یہ دعویٰ بھی کر سکتا ہے کہ اب معاشرہ کی حالت اسلامی ہو چکی ہے ایسے سلجھے ہوئے معاشرہ کو اپنی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیے، قانونی جبر ایسے معاشرہ کے لیے نامناسب ہے گویا اگر فضا کی استواری دیگر انسانی تدبیروں سے ہی ممکن ہے تو ایسے اہم مرحلہ کو الہامی رہنمائی کے بغیر طے کرنے کے بعد کتاب و سنت کی اہمیت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ جب میدان اس چیز سے ہموار ہو جائے جسے اللہ تعالیٰ کفر، ظلم اور فسق کہیں تو "کتاب و سنت میں ہی ہماری فلاح و نجات ہے" کے نعرہ کی صداقت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

فضا کے ناموافق ہونے کے ضمن میں بعض حلقوں کی طرف سے شریعت کی عملداری کے لیے ایک اہم رکاوٹ "اسلامی مشینری کا فقدان" پیش کی جاتی ہے۔ یہ بات کسی فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے "مشینری کی ضرورت" کی حد تک تو درست ہے لیکن یہ مشینری ایسے تو حاصل نہ ہو گی کہ نظام وہی باقی رہے اور کارندے بھی وہی براجمان رہیں بلکہ اس سلسلہ میں انقلابی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ جو لوگ اسلام کے نام پر دیوانے ہو کر قاہر اور جابر قوتوں کو سرنگوں کر سکتے ہیں وہ ان شاء اللہ اتنے تہی دامن ثابت نہ ہوں گے کہ معاونین کی معتدبہ

---

[1] ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون ..... ھم الظٰلمون ..... ھم الفٰسقون (المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷) اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ (کتاب و سنت) کے ساتھ (قانونی، عدالتی یا انتظامی) حکم نہ کرے، یہی لوگ کافر ہیں ..... ظالم ہیں ..... فاسق ہیں۔

[2] فرد و معاشرہ کی زندگی کی صرف وہ حدود کار مراد ہیں جو حکومت کے کنٹرول میں ہیں جن کا اثر نجی زندگی پر بھی پڑتا ہے اگرچہ نجی حیثیت سے فرد غیر اسلامی حکومت میں بھی جزوی طور پر شریعت پر عمل کر سکتا ہے لیکن جب وہ مکمل شریعت کا مخاطب ہے تو اس حالت پر مطمئن نہیں رہ سکتا۔

تعداد متعلقہ شعبوں کے لیے پیش نہ کر سکیں بلکہ یہ خیال بھی موہوم ہے کہ جملہ مشینری کی تبدیل کرنی پڑے گی

جو لوگ کم از کم ذہنی طور پر مسلمان ہوں ان کی اسلامی تربیت کا انتظام کر دیا جائے بلکہ ہنگامی طور پر اسلام کی سمجھ رکھنے والے اشخاص کا تعاون ہی حکومت کی گاڑی کو اسلامی طرز پر چلا سکتا ہے اور انہی اشخاص کی رفاقت میں کام کرنے سے دوسروں کی کسی حد تک تربیت بھی ہو جائے گی۔ البتہ ان لوگوں کو کلیدی جگہوں سے ہٹانا ضروری ہوگا جو اپنے اختیارات سے موجودہ نظام میں تبدیلی لانے میں رکاوٹ ہیں۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ افراد یا نظام کی تبدیلیوں سے سارا معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا کیونکہ ظاہری طور پر انسان ایسا محسوس کرتا ہی ہے جیسے دنیا میں بڑے بڑے عبقری (GENIUS) آتے اور پھر جاتے رہے۔ ان کے انتقال کو اس طرح محسوس کیا گیا جس طرح ایک جہان چلا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی ایسا رکھا ہے کہ خلا پُر ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بات تو دنیاوی امور میں نظر آتی ہے جو لوگ خدا کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ ان کی خصوصی مدد فرماتا ہے ارشاد ہے: وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ[1] (الحج: ۴۰) شرط صرف یہ ہے کہ تدبیروں کے ساتھ ساتھ تقدیروں کے مالک پر "توکل" کیا جائے۔ ارشاد ہے۔ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ[2] (الطلاق: ۳) اس لیے ہم اس خیال کو صحیح نہیں سمجھتے کہ موجودہ مشینری اسلام کی عملداری میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ البتہ اگر خدا پر توکل کے ساتھ اپنی حالت خود بدلنے کی کوشش کرنے کی بجائے کسی غیر اسلامی نظام کی تربیت یافتہ مشینری پر تکیہ کر لیا جائے تو واقعی پھر کسی اصلاح کی امید نہیں کرنی چاہیے۔ ہم کمیونسٹ انقلابیوں کو دیکھتے ہیں جو بمشکل ایک فی صد اقلیت کی سازشی قوت سے برسر اقتدار آتے ہیں لیکن بیانگ دہل پہلے ہی روز کمیونسٹ کلمہ "عوامی حاکمیت" کا اعلان کرتے ہیں پھر مسلم معاشروں میں سے ہی انہیں وہ مشینری بھی میسر آ جاتی ہے جو کمیونسٹ انقلاب کے مکمل کرنے میں مدد دیتی ہے جبکہ مسلم معاشروں میں سیاسی اسلامی تحریکیں نوّے فیصد عوام کی حمایت اور پشت پناہی کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن جب برسر اقتدار آتے ہیں تو معاشرہ کی ناموافق فضا کا گلہ شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اپنا ایمان متزلزل ہو تو پھر فضا غیر موافق ہی نظر آتی ہے۔ مومن کا کام ہے صحیح سمت چل پڑنا۔

---

۱ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ یعنی اللہ ان کی ضرور مدد کریں گے جو اللہ کی مدد کریں۔

۲ جو اللہ پر توکل کرے اللہ اسے کافی ہے۔ ۳ افغانستان کے حالیہ انقلاب کے صرف ایک مہینہ بعد معیشت کو غیر سودی بنیادوں پر استوار کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

فضا کو صاف کرنا اور موافق بنانا اللہ نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ اللہ پر توکل کر کے دستوری حیثیت سے کتاب و سنت کی بالادستی کا اعلان کر دیا جائے تو کتاب و سنت کے خادموں کی کمی محسوس نہ ہو گی جب کوئی اپنا رخ اللہ کی طرف کر کے "مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ" کا نعرہ لگاتا ہے تو اسے خدائی خدمتگار مل ہی جایا کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے راشدین سے لے کر زمانۂ حال تک کسی علاقہ میں جب کسی صاحبِ اختیار نے خدائی قانون کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے مجاہدانہ جرأت کا مظاہرہ کیا ہے تو اسے خائب و خاسر نہیں ہونا پڑا۔ دُور کیا جائیے دورِ حاضر ہی کی ایک مثال حجاز مقدس میں سعودی حکومت کا قیام اور شریعت کی عملداری کی پیش کی جا سکتی ہے۔ سعودی حکومت کے آنے سے قبل وہاں کی دگرگوں حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حج پر جانے والے زندگی بھر کے معاملات سے عہدہ برآ ہو کر اس خیال سے سفر کیا کرتے تھے کہ صحیح سلامت واپسی کا امکان کم ہی ہے لیکن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے جن لوگوں کو سادہ انداز میں سلفی عقیدہ کے ساتھ جہاد کے جذبہ سے سرشار کر دیا تھا ان کی مٹھی بھر تعداد نے چند دنوں میں حجاز کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اپنے رب پر کامل ایمان اور اسلام پر غیر متزلزل یقین رکھنے والوں نے لمحہ بھر کے لیے فضا کی عدم موافقت کا احساس رکھنا گوارا نہ کیا اور قوت حاصل کرتے ہی نہ صرف وہاں نظامِ شریعت قائم کرنے کا اعلان کر کے انقلابی تبدیلیاں کیں بلکہ توحید پر مبنی اپنے مخصوص اعتقادات کو بھی عملی جامہ پہنایا حالانکہ یہ وہ دور تھا کہ شرعی پابندیوں کو نادرا سمجھنے والے تو ان کے مخالف تھے ہی خود کو دیندار کہنے والے لوگوں میں بھی ان کے خلاف غلط فہمیوں کی بنا پر سخت نفرت پائی جاتی تھی اور دنیا بھر میں ان کے خلاف بزرگوں کی توہین کا غلط پروپیگنڈا بھی کامیاب ہو چکا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے نسبت اور وہابی کا لفظ آج تک ایک مذہبی گالی شمار ہوتا رہا ہے۔ انگریز سامراج نے بھی ہند میں شہیدین کی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے "وہابی" کو EXPLOIT کر کے خوب سیاسی فائدہ اٹھایا حتیٰ کہ سرکاری سطح پر یہ لفظ "باغی" کے مترادف سمجھا جاتا رہا۔

ان اندرونی اور بیرونی الجھنوں اور رکاوٹوں کے باوجود سعودی عرب میں شریعت کی

۱؎ آل عمران: ۵۲ یعنی اللہ کی طرف میرا کون معاون ہے؟

عملداری کا کامیاب تجربہ ان بے یقین لوگوں کا جواب بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی کامیاب کوششوں کو صرف ان کی شخصیتوں کا خاصہ قرار دے کر فرار کی راہ نکال لیتے ہیں یا حالات کے مختلف ہونے کا فلسفہ بگھارا کرتے ہیں۔ لیکن تعجب اس وقت ہوتا ہے جب دوسرے ہی سانس میں یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے افرادِ امت کی تربیت کی تھی۔ اس سے وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جس طرح "تدریج" سے شریعت مکمل ہوئی اسی طرح پہلے "تدریج" سے تربیت مکمل ہونی چاہیے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ "تدریج" کا نظریہ غلط ہے کیونکہ اب ہم مکمل شریعت ہی کے مخاطب ہیں اسی طرح اگر بات لوگوں کو مومن بنانے کی ہو تو اس کے لیے یقیناً تزکیہ کا وہی طریقہ کار ہے لیکن یہاں اصل مسئلہ حکومت کے شریعت کے مکلف ہونے کا ہے تاکہ حکومت کی سطح پر "اسلامی قانون" کی بالادستی سے ساری ملت کا رخ ایک ہو جائے کیونکہ جب نجی حیثیت سے پوری قوم کتاب و سنت کی مخاطب ہو تو سیاسی اور انتظامی حاکمیت بھی اسی کی ہونی چاہیے تاکہ نجی اور سرکاری حیثیت سے ملت میں وحدت قائم ہو۔ کتاب و سنت کی بالادستی کے سرکاری اعلان کا مطالبہ اس لیے ہے کہ اس "ثنویت" کا خاتمہ ہو سکے کہ ہم ایک طرف شریعت کے تحت انفرادی اور اجتماعی شعبوں میں اللہ کی مکمل اطاعت کے نظام سے وابستہ ہوں اور دوسری طرف عملاً ہم اپنی اجتماعی زندگی کے اہم میدانوں میں غیر شرعی "قانونِ مملکت" کی بھی اطاعت کر کے شریعت کے باغی نہ بنیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز "تزکیہ نفس" کی بجائے "سیاسی اقتدار" سے متعلق ہے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاسی اقتدار کے تحت جب بھی کوئی فیصلہ یا حکم جاری فرمایا تو وہ بموجب حکمِ الٰہی فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ[ب] اللہ کی شریعت سے ہی جاری فرمایا حالانکہ جس سیاق و سباق میں یہ آیت اتری وہ یہود سے متعلق ہے گویا یہود کے درمیان فیصلہ میں بھی شریعت الٰہی سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں جب غیر مسلم علاقے فتح ہوتے رہے تو ان میں فوری طور پر شریعت کے نفاذ کا اعلان ہوتا رہا کبھی کسی نے پہلے ذہنی تربیت یا معاشرتی استواری کا انتظار نہ کیا۔ ہمارے ہاں تو الحمد للہ مسلم آباد ہیں۔ غیر تربیت یافتہ ہی سہی۔ شریعت کے باغی تو نہیں ہیں پھر آخر رائج الوقت

ب المائدہ: ۴۹۔ ان کے درمیان اللہ کے قانون سے ہی فیصلہ فرمائیے اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کیجیے۔

قانون کے تحت بھی فیصلے ہو رہے ہیں۔ سزائیں بھی دی جا رہی ہیں جب کہ بموجب فرمانِ الٰہی وَمَن لَّم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الظٰلمون[1]۔ اگر کوئی شخص اس کو ظلم قرار دے تو ہمارے پاس کیا جواب ہے؟

بالفرض اگر مروجہ قانون و نظام کے فوری خاتمہ سے قانون و ضابطہ کا خلا بھی تسلیم کر لیا جائے (حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے) تو ایسی صورت میں بھی شریعت کے تحت سمری فیصلے اور مارشل لاء احکام کی طرح شرعی احکام قرآن کی رُو سے موجودہ ظالمانہ نظام سے بدتر تو نہ ہوں گے۔ آخر دنیا بھر میں عبوری دور کے لیے مارشل لاء کے فوری ضوابط اور احکام سے بھی کاروبارِ حکومت چلتا ہے۔

جہاں تک "اسلامی قانون کی تدوین" کا تعلق ہے اول تو یہ چیز ہی بنیادی طور پر غلط ہے کہ کتاب و سنت جیسے "دستورِ زندگی" کے علاوہ کسی دوسرے مدون قانون کو اسلامی ریاست کا مستقل دستور قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ ایسے کسی بھی مدون قانون کی حیثیت ذیلی یا مددگار قانون کی ہو گی کیونکہ مستقل حیثیت صرف کتاب و سنت کو ہی حاصل ہے جو ابدی دستور ہے اسی لیے اس کی تدوین بھی ایسے انداز کی ہے جو زندگی کی فطری رہنمائی سے مناسب ہے۔ باقی قانون خواہ انسانی ذہنوں کی اختراع ہوں یا کتاب و سنت سے انسانی سوچوں کا حاصل وہ اپنی طرز کے معاشروں میں مقامی اور ہنگامی رہنما قانون تو قرار دیے جا سکتے ہیں لیکن اسلامی ریاست جیسے مستقل ادارے کا پائیدار قانون نہیں بن سکتے، تاہم کسی وقتی ضرورت کے پیشِ نظر "تدوین" کو بڑی اہمیت بھی دے دی جائے تو الحمد للہ اس سلسلہ میں کسی سردردی کی ضرورت نہیں کہ وہ اعلانِ شریعت میں تاخیر کا سبب ہو۔ ہمارے ہاں محدثانہ اور مخصوص فقیہانہ انداز کے اتنے مدون مجموعہ جات موجود ہیں کہ ان کو گننے اور صرف تعارف کرانے کے لیے بیسیوں جلدوں پر مشتمل کتابیں تیار کی جا سکتی ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ایسے بیش قیمت تذکرے دنیا بھر کی مشہور زبانوں میں موجود بھی ہیں۔ فقہ و قانون کے تقابلی مطالعہ کی کتب تو جدید معاشروں میں نئے پیدا شدہ مسائل پر بصیرت افروز رہنمائی کا کام بھی دے سکتی ہیں اور نجی سطح پر علماء اور مفتی حضرات انہی سے درپیش مسائل کا جواب دیتے بھی رہتے ہیں۔

---

[1] المائدہ: ۴۵۔ جو کوئی شریعت سے حکم نہ کرے وہ ظالم ہیں۔

آخر نجی طور پر یہ کام پہلے چل رہا ہے تو سرکاری سطح پر کیوں نہیں چل سکتا؟ اگر زیادہ اہم معاملہ ہو تو اسی طرح علماء اور ماہرین پر مشتمل اسلامی کونسل سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذیلی اور مددگار قانون میں اگر اتفاق رائے ممکن ہو تو یہ الہامی قانون کے قائم مقام ہو گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ براہِ راست خدائی رہنمائی (نبوت) کے سوا انسانی سوچ پہلو دار ہوتی ہے۔ اس میں اتنی جامعیت اور ابدیت نہیں ہو سکتی جو خدائی قانون کی جگہ لے سکے۔ بالفرض اگر ایسا پہلو دار قانون مستقل دستورِ مملکت قرار دے دیا جائے تو یہ ترقی پذیر معاشرے کے لیے پاؤں کی زنجیر ثابت ہو گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب و سنت کے علاوہ کوئی مدوّن قانون متفقہ بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ کتاب و سنت کی تعبیر میں اختلاف کے کچھ پہلو واقعی ضرر رساں ہیں لیکن اس اختلاف کا ایک روشن پہلو قانون کی لچک دار اور ارتقاء[1] پذیر شکل کو باقی رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس لیے بیک وقت یہ دو فائدوں کا حامل ہے۔ درپیش مسئلہ میں "فتویٰ" کی حیثیت سے اور آئندہ کے مسائل میں قانونی رہنما کی حیثیت سے۔ پھر جب مستقل قانونی حیثیت سے کتاب اللہ کیلئے سنت رسول اللہ کی صورت میں ایک متفقہ[2] تعبیر اسوۂ حسنہ (عملی نمونہ) کی صورت میں موجود ہے تو اس ابدی تعبیر کو اپنانے کے دوران جزوی مسائل میں اجتہادات کا جو اختلاف رونما ہوتا ہے اس کا ضرر رساں پہلو مزید کمزور پڑ جاتا ہے۔

---

[1] ارتقاء سے مراد زمانی ارتقاء نہیں کیونکہ ایک ہی زمانہ میں بھی حالات کے اختلاف سے شرعی حکم بدل سکتا ہے۔ فقہ کا تقابلی مطالعہ رکھنے والوں کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ ائمہ کے اجتہادات کے مختلف ہونے میں زمانی اور علاقائی حالات کا کتنا دخل رہا ہے اور یہ ایک فطری امر ہے اور یہی چیز ائمہ کے فتاویٰ کے ہر زمانہ میں مفید ہونے کا ایک سبب ہے۔

[2] سنت کو متفقہ کہنے سے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ یہ صرف سنی مکاتب فکر (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی یا حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور ظاہری وغیرہ) کے درمیان متفقہ ہے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ (سنت) کی دستوری حیثیت تو شیعہ وغیرہ کے ہاں بھی مسلم ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ شیعہ سنت کی روایت و درایت میں صرف ائمہ اہل بیت اور ان کے حواریوں کا اعتبار کرتے ہیں جب کہ سنی عام صحابہؓ اور تابعین وغیرہ کا بھی۔

چوتھی بات جس کا تعلق اس بارے میں تاریخی تجزیے سے ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی چودہ صد سالہ تاریخ میں عموماً کتاب و سنت ہی اسلامی ریاستوں کا دستور رہا ہے۔ اگر کبھی جزئیات میں گزشت اختلاف آراء یا بعض سازشوں کے سد باب کے لیے کسی مدون کتاب کو دستور مملکت بنانے کا احساس ہوا بھی تو اسلاف امت نے اسے گوارا نہ کیا کہ "موطا" کو امام مالکؒ نے خلیفہ منصورؒ اور پھر ہارون الرشیدؒ کے اصرار کے باوجود بلادِ اسلامیہ کا قانون بنانے کی تجویز مسترد کر دی تھی حالانکہ "موطا" "فقہ الحدیث" کی بنیادی کتاب ہے۔ کبھی امام مالکؒ نے اس طرح معذرت کر دی کہ رسولؐ کی وفات کے بعد ذخیرۂ احادیث اتنا پھیل چکا ہے کہ کسی ایک کتاب پر انحصار مکمل سنت (قانونِ نبوتی) کا احاطہ نہ کر سکے گا اور کبھی یہ جواب ما من احد الا و قوله مقبول و مردود علیه الا صاحب هذا القبر یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا یہ مقام نہیں کہ اس کی ہر بات قابلِ قبول ہو تو میری کتاب موطا جس میں میرے یا دیگر ائمہ کے اجتہادات بھی ہیں، کو یہ حیثیت کیسے دی جا سکتی ہے؟ البتہ اسلامی حکومتوں کے زوال کے آخری دور میں مغل تاجدار اورنگ زیب عالمگیرؒ نے علماء کی ایک جماعت کے ترتیب دادہ مجموعہ کو قانونی صورت میں اختیار کیا جو "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے معروف ہے۔ لیکن "فتاویٰ" کا لفظ خود وضاحت کر رہا ہے کہ اس کی حیثیت بھی "معاونِ قانون" کی تھی کیونکہ فتاویٰ ان شرعی آراء کو کہتے ہیں جن سے ایک حاکم یا قاضی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں مدد لیتا ہے۔ اس سے قبل شرعی رائے کا یہی کام حکومت کا شعبۂ افتاء کیا کرتا تھا۔ آج کل اس کی مثال ہماری عدالتوں میں وکلائے قانون کی ہے یا زیادہ سے زیادہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کے مجموعہ جات کی جو PLJ PLD وغیرہ ناموں سے چھپتے ہیں۔ تاہم تقریباً ایک صدی سے یورپ کی تقلیدؒ نے مسلمانوں کے اندر یہ احساس اجاگر کیا کہ دفعہ وار اسلامی قانون کی تدوین کرنی چاہیے چنانچہ سب سے پہلا مدوّن مجموعہ ۱۸۷۶ء میں ترکی نے "مجلہ عدلیہ" کے نام سے اپنایا جو صرف دیوانی قانون پر مشتمل ہے۔ باقی رہا مسلمانوں کا اسلام کی بنیاد پر عائلی اور شخصی قانون تو اگرچہ اس کے لیے بیسویں صدی عیسوی میں مختلف "مجموعہ جات" تیار کرنے کی مثالیں ملتی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی مسلم تو کیا غیر مسلم

ؒ افسوس کہ یورپ کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں یہ احساس راسخ ہو چکا ہے کہ جب تک قانون دفعہ وار مدون نہ ہو وہ نافذ العمل نہیں ہو سکتا حالانکہ اس کی تردید یورپ کی اہم ریاست "برطانیہ" کر رہی ہے جہاں کئی صدیوں سے تحریری شکل میں مکمل دفعہ وار دستور نہیں ہے۔ البتہ اب انھوں نے جس حد تک کامن لاء میں ترمیم ضروری تھی جزوی تدوین کر لی ہے۔

ریاستوں میں بھی جن میں غیر منقسم ہند و پاک کا ڈھائی سالہ دور بھی شامل ہے، میں غیر مدون تشخصی قانون نہ صرف نافذ رہا بلکہ اس کے مطابق نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم ہندو اور انگریز وکلاء بھی قانونی راہنمائی دیتے رہے اور غیر مسلم جج صاحبان بھی فیصلے کرتے رہے۔

واضح رہے کہ اسلام کے قانونی نظام کے اہم حصہ سزاؤں (تعزیرات) کے لیے آج تک سرکاری سطح پر کسی دفعہ وار مدون مجموعہ نے قانونی شکل اختیار نہیں کی۔ تقریباً پچاس سال سے سعودی عرب اسلامی نظام تعزیرات کو اپنا کر دنیا بھر کے ترقی یافتہ معاشروں کو اسلام کا یہ چیلنج پیش کر رہا ہے کہ امن و امان صرف اسلام کو رائج کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہ بھی بتا رہا ہے کہ شریعت کو اپنانے کے لیے پہلے سے ایسے مدون مجموعہ جات کی ضرورت نہیں۔ پرانا فقہی ذخیرہ اور شعبۂ افتاء ہی اس غرض کے لیے کافی ہے۔ سعودی حکومت کو تو اقوام متحدہ کا رکن بننے کے لیے بھی کسی "مسودہ قانون" کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ اس نے وہاں بھی صرف "قرآن کریم" کو اپنے "قانونِ مملکت" کی حیثیت سے پیش کر رکھا ہوا ہے۔

آخری بات جس کا تعلق اسلامی قانون کی تدوین کے تجربہ سے ہے یہ ہے کہ یہ تجربہ عموماً ناکام ثابت ہوا ہے بلکہ کئی کوششوں کا انجام ہی عبرتناک ہے۔ خلافت عثمانیہ کے مجلہ عدلیہ کی تشکیل پر مصر میں مختلف مکاتب فکر سے متعلق علماء اور ماہرین قانون کی چھ سالہ مشترکہ مساعی سے ۱۹۲۰ء میں ایک مجموعہ قانون تیار ہوا تھا لیکن اس کا جو حشر ہوا وہ بڑا المناک ہے۔ یہ مجموعہ اتنی تنقید کا شکار ہوا کہ شاہِ مصر نے اسے سرد خانہ میں ڈال کر ملک میں فرانسیسی قانون نافذ کر دیا۔ اس لیے موجودہ مشاورتی کونسلوں کی ایک شعبۂ افتاء و تحقیق کی حیثیت سے اہمیت تسلیم کرنے کے باوجود ان سے کسی متفقہ مسودہ قانون تیار کرنے کی امید ایک سراب ہی ثابت ہوگی۔ اگرچہ ابھی تک اسلامی نظریاتی کونسل کا کوئی کام سامنے نہیں آیا لیکن جس طرح طے شدہ مسائل پر بار بار بحثیں ہو رہی ہیں اس کا کام برسرِ عام آنے کے بعد اس کی متفقہ پذیرائی کے لیے حوصلہ افزا صورتِ حال نظر نہیں آتی۔ ویسے مشاورتی کونسل ۱۹۶۲ء یعنی سولہ سال سے کام کر رہی ہے اور مزید پتہ نہیں کتنا وقت لگائے گی۔ قومی اتحاد کا ایک ماہ میں شریعت نافذ کرنے کا دعوٰی چھوڑیے اب تو بھٹو کے چھ ماہ بھی گزر چکے ہیں اور ابھی تک "نظامِ مصطفٰی" کا پہلا قدم یعنی بنیادی اینٹ بھی رکھی نہ جا سکی ہے۔ یہ صورتِ حال مشاورتی کونسلوں کے ذریعہ تدوین قانون یا اس پر اتفاق کو ایک ناکام کوشش ظاہر کرتی ہے لہٰذا اس سعی لاحاصل کے انتظار میں کتاب و سنت کو معطل رکھنا درست نہ ہوگا جبکہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں کہ اسلامی ریاست کا مستقل دستور صرف کتاب و سنت ہوتے ہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی

۲ر شوال ۱۳۹۸ھ

التفسیر والتعبیر

مولانا عزیز زبیدی

سُوْرَۃُ بَقَرَہ

(قسط ۲۴)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
اور ہم نے آپ پر ابر کا سایہ کیا اور (نیز) آپ پر من و سلویٰ
وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا
اتارا کہ جو پاک روزی ہم نے تم کو دی ہے (شوق سے) کھائیں (تاہم

لہ الغمام (بادل۔ سفید ابر) یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک اور انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ:
(اے بنی اسرائیل) جب بیابان تیہ میں جھلسا دینے والی دھوپ کی زد میں آگئے تو ہم نے تم پر ابر کا سایہ کر دیا۔

ٹہ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (من اور سلویٰ) من اور سلویٰ کیا چیزیں تھیں؟ مختلف بیان کی گئی ہیں۔ اوس کی طرح ایک شے پتوں پر پڑتی، صبح حسبِ ضرورت بھی لے کر کھاتے، وہ ٹھنڈی اور میٹھی ہوتی جیسے ترنجبین اور شبنمی گوند۔ اسے من کہا گیا ہے، اور بٹیر کی طرح کے پرندے سالن کی جگہ مل جاتے، جن کو بھون کر وہ کھاتے، اسے سلویٰ کہا گیا ہے۔ علامہ راغب نے اس کے ایک معنی یہ بھی کیے ہیں کہ:

یہ دونوں دراصل ایک ہی چیز سے عبارت ہے۔ چونکہ محنت اور کلفت کے بغیر ان کو کھانے کو دیا، اللہ کا کرم اور احسان ہوا، اس لیے اس کو "من" کہا گیا ہے کہ یہ اس کا احسان ہے چونکہ وہ کھانے بنی اسرائیل کے لیے "وجہِ تسلی" بھی تھے، اس کو "سلویٰ" بھی کہا گیا ہے۔ (مفردات)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کان المن ینزل علی الشجر فیاکلون منہ ما شاؤا و من طریق عکرمۃ: کان مثل الرُّبّ الغلیظ ..... وقال السدی: کان مثل الترنجبین (فتح الباری ص ۱۲۶ ج ۸)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ: وہ برف کی طرح پڑتی تھی، دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں تھی۔

كان المن يسقط عليهم سقوط الثلج اشد بياضا من اللبن واحلى من العسل (فتح الباري ج۸ ص۱۸۶)

السلوى طائر يشبه السماني ومن طريق وهب بن منبه قال هو السماني (ايضاً)

صحیح یہ ہے کہ من اور سلویٰ کھانے کی وہ چیزیں تھیں جو بلا کلفت اور محنت ان کو دستیاب ہوتی تھیں، اس میں آسمانی و ارضی شیریں اور نمکین قسم کی متعدد اور مختلف اشیاء ہو سکتی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ کھمبی بھی اس من سے ہے جو بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ پر نازل کی گئی تھی۔

عن سعيد بن زيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الكمأة من المن الذي انزل الله عزوجل على بني اسرائيل (ج۲ ص۱۸۳ كتاب الاشربة)

وفي رواية: على موسى عليه السلام (ايضاً)

واشار الخطابي الى انه يحتمل ان يكون الذي على بني اسرائيل كان انواعا منها مايسقط على الشجر ومنها ما يخرج من الارض فتكون الكمأة منه وهذا هو قول الثالث وبه جزم الموفق عبد اللطيف البغدادي ومن تبعه فقالوا ان المن الذي انزل على بني اسرائيل ليس هو ما يسقط على الشجر فقط بل كان انواعا من الله عليهم بها من النبات الذي يوجد عفوا ومن الطير التي تسقط عليهم بغير اصطياد ومن الطل الذي يسقط على الشجر (فتح الباري ج۲۳ ص۲۰۲)

قال ابن كثير: والظاهر والله اعلم انه كل ما امتن الله به عليهم من طعام وشراب وغير ذلك مما ليس لهم فيه عمل ولا كد (ابن كثير ص۹۵)

باں من سے مراد محض امتنان اور احسان کے معنی لینا محل نظر ہے، قال الحافظ:

وفي هذه الترجمة (اي باب المن شفاء للعين) اشارة الى ترجيح القول الصائر الى ان المراد بالمن في حديث الباب الصنف المخصوص من الماكول لا المصدر الذي بمعنى الامتنان (فتح الباري ج۲۳ ص۲۰۲)

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ: اصلی "من" تو وہی میٹھی شے تھی اور سلویٰ بھی وہی چھوٹا سا پرندہ لیکن بعد میں ہر ایسی چیز کو من وسلویٰ کہہ دیا جاتا ہے جو بلا کلفت اور محنت حاصل ہو۔

وکثیرون شبّهوها (ای الکمأۃ) بالمنّ الّذی کان ینزل علی بنی اسرائیل لانّہ کان تحصیل لھم بلا کلفۃ ولا علاج (شرح نووی ص ۱۸۲)

راقم الحروف کے شیخ الشیخ حضرت مولانا نذیر احمد دہلوی (ف ۱۳۳۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بنی اسرائیل کو لے مصر سے نکلے تو خدا نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ قوم عمالقہ سے لڑو گے تو ہم تم کو فتح دیں گے اور ملک شام میں تمہاری سلطنت قائم کر دیں گے ہر چند (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے سمجھایا، ان کی ہمت نہ پڑی، اس نافرمانی کی خدا نے ان کو سزا دی اور چالیس برس تک جنگلوں میں بھٹکتے پھرے، چالیس برس کی مدت، روز کا چلنا، بڑی مصیبتیں جھیلیں، اس پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے خدا نے بنی اسرائیل پر چند در چند مہربانیاں کیں، دھوپ سے بچاؤ کے لیے ابر سایہ کرتا، کھانے کے لیے من وسلویٰ ملتا، رات کو جو اوس پڑتی تو ترنجبین کی طرح کی کوئی چیز میٹھی جنگلی درختوں کے پتوں پر جم جاتی وہی من تھی اس کو کھرچ لاتے اور روٹی کی جگہ کھاتے اور سلویٰ بٹیر کی قسم کا ایک جانور (پرندہ) تھا۔ رات کو جہاں بنی اسرائیل کا پڑاؤ پڑتا یہ جانور آپ سے آپ آس پاس جمع ہو جاتے یہ ان کو بھون کر کباب بناتے مگر حکم یہ تھا کہ کل کے لیے ذخیرہ نہ کرو۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا اور لگے سینت سینت کر رکھنے۔ آخر کار من وسلویٰ کا اترنا بند ہو گیا۔

سورت مائدہ میں اس کا تذکرہ آگیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ (مائدہ ع ۴)

بھائیو! (شام کا) مقدس ملک جو خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے، اس میں داخل ہو جاؤ! اور (دشمن کے مقابلے میں) پیٹھ نہ پھیرنا (اگر ایسا کرو گے) تو تم الٹے گھاٹے میں رہو گے، وہ بولے کہ اے موسیٰ! اس ملک میں تو زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں، ہم تو اس ملک میں قدم رکھتے ہی نہیں، ہاں (وہ لوگ) اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور (جا) داخل ہوں گے۔

دو بزرگوں (حضرت یوشع اور حضرت کالب بن یوقنا) نے ان کو خوفِ خدا دلایا اور خدا پر بھروسہ کرنے کی ترغیب دلائی مگر وہ یہی کہتے رہے کہ یہ لوگ نکل جائیں گے تو پھر ہم جائیں گے

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

وہ الٹے ہی مرے) انھوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا پر وہ اپنا ہی کچھ کھوتے رہے۔ اور (وہ وقت بھی یاد

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

کرو) جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ (اریحا نامی) اس گاؤں میں جائیں اور اس میں جہاں چاہیں بافراغت

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ

کھائیں (پئیں) اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور منہ سے حِطَّةٌ کہتے جائیں ہم ان کی خطائیں

آپ اور آپ کا رب، دونوں ہی جا کر لڑیں، ہم تو یہاں سے ہلنے کے نہیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا کی: کہ الٰہی! اپنی ذات اور بھائی کے سوا میرا کسی پر زور نہیں چلتا (مائدہ ع۴)

اس پر اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا کہ:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ (مائدہ ع۴)

فرمایا: اچھا تو وہ ملک چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہو گا (مصر کے) جنگل میں بھٹکے بھٹکے پھریں گے۔

۳؎ كُلُوْا (کھاؤ! (پیو!) كُلُوْا نے ان احتمالات کو دور کر دیا ہے، جو بعض بزرگوں نے "مَنّ" کے معنی "امتنان" کر کے پیدا کیے تھے۔ گو کسب اور محنت کی سردردی کے بغیر بھی "امتنان" کی ایک شکل ہے تاہم یہ "تنہا امتنان" کی شکل نہیں، مع سامان امتنان کی بات ہے۔

۴؎ طَيِّبٰتِ (پاک اور حلال چیزیں) ان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو آسمانی ہدایات کے مطابق میسر ہو اور مالک کی رضا کے تحت ہو۔

سوشلزم کی یہ دریافت کہ: انتفاع کا حق صرف انھیں ملنا چاہیے، جن کے بازوؤں کی محنت نے اس شے کو تخلیق کیا ہو، قرآن حمید کی اس آیت اور روح کے خلاف ہے۔ کیونکہ مالک برحق نے انھیں بلا مزد و محنت عطا کیا اور وافر عطا کیا۔ اور پوری قوم بنی اسرائیل ان کو اپنے کام میں لائی، پیغمبر کی موجودگی میں لائی، وحی الٰہی کا تانتا بندھا ہوا تھا، اس وقت لائی۔ اور رب نے ان کو ان کے لیے "طیبات" کہہ کر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ ایسی چیز ان کے لیے حلال وطیب ہے۔ ایک شخص کے پاس مکان، زمین یا مشین وغیرہ ہے، وہ اپنی رضا سے کسی کو ٹھیکے پر دے کر اس کی آمدنی کھا پی سکتا ہے۔

۵ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ. کا مطلب یہ ہے کہ یہ مفت کی نعمت بھی ان کو راس نہ آئی اور ان کی شرارتوں کی وجہ سے اپنی ان نعمتوں کا سلسلہ بھی بند کرنا پڑا۔

یظلمون (ظلم کرتے رہے، کھوتے رہے، نقصان کرتے رہے) ایک تو ان کی بے انصافی اور زیادتی یہ تھی کہ وہ من و سلویٰ جیسی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہے، شکر کے بجائے ناک بھویں چڑھاتے رہے کہ روز روز ایک ہی چیز — یہ کیا تک ہے؟ دوسرا یہ کہ: اب بھی خدا پر بھروسہ نہ کیا، من و سلویٰ کا وافر ذخیرہ بھی کرنے لگ گئے تھے، تیسرا یہ کہ یہ پہلی قوم ہے جس نے کھانے پینے کی تازہ چیزوں کو رکھ کر باسی کرنے کی راغ بیل ڈالی تھی، حضورؐ کا ارشاد ہے۔

لولا بنوا سرائیل لم یخنز اللحم (بخاری۔ مسلم)

"اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے (تو) گوشت (باسی ہو کر) متعفن نہ ہوتا"

ہمارے نزدیک اگر انسان میں یہ کمزوری نہ ہوتی تو دنیا میں بہت کم بھوکے رہتے، کیونکہ نارمل اور عام حالات میں اگر وافر چیزوں کو دوسرے شام کے لیے ذخیرہ کرنے کا روگ لاحق نہ کرتے اور کسی دوسرے ضرورتمند کو دے دیتے تو بھوک کی یہ نوبت بالکل نہ آتی مگر افسوس! بنی اسرائیل کے سیئات میں جہاں دوسری بعض برائیوں کی ایجاد کا سہرا ہے جیسے سود، مزدکیت اور سوشلزم وغیرہ وہاں ایک یہ بھی ہے۔ گویا کہ لوگوں کو پہلے بھوکا رکھنے کی داغ بیل بھی انھوں نے ڈالی۔ پھر اس بھوک کو بہانہ بنا کر مزدکیت اور کمیونزم کا فتنہ بھی انھوں نے ایجاد کیا۔

۶ **هذه القرية** (یہ گاؤں، اس گاؤں) اس سے مراد بیت المقدس ہے یا شام کا کوئی مقدس مقام؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس سے بیت المقدس مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ هذه القرية کے بجائے الارض المقدسة آیا ہے، کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد شام کی سرزمین ہے، یعنی اس کے بعض شہر یا گاؤں مراد ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ واقعتہً مقصود بیت المقدس ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اریحا جو بحر مردار کی شمالی جانب میں ۵ میل کے فاصلہ پر ہے، جسے حضرت یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد فتح کیا تھا، بیت المقدس کے سلسلہ کی کوئی اہم فوجی جگہ ہو۔ اس لیے اس کا بھی نام آگیا ہو۔ کچھ بزرگوں نے کچھ اور گاؤں اور قصبوں کے نام بھی لیے ہیں، ان سب کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب فوجی اہمیت کی کوئی جگہیں ہوں، یا یہ کہ اریحا وغیرہ بول کر مراد اس سے بیت المقدس ہو، لیکن حافظ ابن کثیر اس سے مطمئن نہیں ہیں، فرماتے ہیں: اصل مقصود بیت المقدس کو فتح کرنا تھا، باقی رہا اریحا؟ سو فرماتے ہیں

کہ اس سلسلہ میں وہ بیت المقدس کے راستے میں بھی نہیں پڑتا الا یہ کہ اس یحا بول کر بیت المقدس مراد لیا جائے۔

وفی ھذا نظر لان اریحا لیست ھی المقصود بالفتح ولا کانت فی طریقھم الی بیت المقدس ...... اللھم ان یکون المراد باریحا ارض بیت المقدس کما قالہ السدی (تفسیر ابن کثیر ص ۲/۳۷ سورۃ مائدہ ۵ع)

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصہ ہماروہ سرا ہو، مصر کی شہری زندگی میں جن چٹپٹے کھانوں اور شہری لطافتوں کا ان کو چسکا پڑ گیا تھا، اب ان کو ان کی یاد ستاتی رہتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی اس پیاس کی تسکین کے لیے ان سے کہا گیا ہو کہ دیکھیے! اس قصبے میں تمہیں داخلے کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پھاٹک میں داخل ہوتے ہی شکرانے کے نفل پڑھیے اور استغفار کو نہ بھولیے، لیکن وہاں جا کر مذاق اور مخول کرنے لگ گئے۔ چونکہ سوشلسٹ کی دلچسپیاں پیٹ اور نان کے محور کے گرد گھومتی ہیں اور دین کا مذاق اڑانا ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے۔ اس لیے وہاں جا کر حِطَّۃٌ (توبہ) کی جگہ حِنطَۃٌ (گندم کا ٹوپہ) بولنے لگ گئے! ۔ خدا اور اس کے رسول کے سلسلے میں تضحیک کا یہ انداز بہت ہی شرمناک ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کر کے ان کا خمار دور کیا۔

وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا۔ (دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں) اگر اس قریہ اور سورۂ مائدہ رکوع ۴ میں ادخلوا الارض المقدسۃ والا واقعہ ایک ہے تو اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جب فاتحانہ شان سے بیت المقدس میں داخل ہوں تو نفل پڑھیں یا شکرانے کا سجدہ کریں اور رب کے حضور استغفار کیا کریں۔

سُجَّدًا اس کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ جب فاتحانہ شان سے داخل ہوں تو اترا کر نہ داخل ہوں، بلکہ رب کے غلام کی حیثیت سے سر جھکا کر اور عاجزانہ انداز میں داخل ہوں، جیسے فتح مکہ کے موقعہ پر رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت تھی، دوسرے یہ کہ شہر میں داخل ہو کر شکرانے کے نفل پڑھیں، جیسے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخلے کے بعد آٹھ رکعت نفل پڑھے تھے، بعد میں فاتح امیر جیش اور امام کے لیے یہ مسنون قرار دیا گیا کہ وہ شکرانے کے نفل پڑھا کریں چنانچہ جب ایوانِ کسریٰ میں حضرت سعد داخل ہوئے تو اس میں انھوں نے آٹھ رکعت نفل پڑھے۔

وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ○ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا

معاف کردیں گے اور آپ میں سے جو مخلص لوگ ہیں، ان کو مزید بھی) دیں گے تو جو لوگ شریر (اور سرکش) تھے، دعائے

غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا

(استغفار) جوان کو بتائی گئی تھی، اس کو بدل کر دوسری (بات) بولنے لگے تو ہم نے ان شریروں (اور

مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○

سرکشوں) پران کی نافرمانی کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کیا

وبهذا كان عليه الصلوٰة والسلام يظهر عليها الخضوع جدا عند السفر كما روى انه كان يوم الفتح فتح مكة داخل اليها من الثنية العليا وانه لخاضع لربه .... ثم لما دخل البلد اغتسل وصلى ثمانى ركعات ..... فاستحبوا للامام والامير اذا فتح بلدا ان يصلى فيه ثمانى ركعات عند اول دخوله كما فعل سعد بن ابى وقاص رضى الله تعالىٰ عنه لما دخل ايوان كسرى صلى فيه ثمانى ركعات (ابن كثير ۱/ ۹۹ ج ۲)

آیات کے سیاق اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ تمام انبیاء کی یہ سنت کریمہ ہے کہ اسلامی فتوحات کے آخر میں بھنگڑا ناچ کے بجائے عبدیت کا پیکر بن کر رہیں۔ گردن فراز نہ ہوں، سرجھکا ہو، شکرانے کا سجدہ ادا کریں اور نفل پڑھیں۔ دین موسوی میں بھی یہ سنت تھی اور اب بھی۔

ثہ قُولُوا حِطَّةٌ۔ (توبہ توبہ کہو) مقصد یہ ہے کہ فتح کے بعد بکواس نہ کریں نہ فلمی نوعیت کے یا تکبر انگیز گیت گائیں بلکہ استغفار کریں۔ ہم آپ کی خطائیں معاف کردیں گے اور مزید کرم بھی کریں گے۔

۹ہ فَبَدَّلَ (تو اس نے بدل دیا) مقصد یہ ہے کہ انھوں نے ہماری ہدایات کی پابندی نہ کی اور ذلیل حرکتوں پر اتر آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا۔

فقہ القرآن۔ ۱۔ سیاسی اور روحانی برتری بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

۲۔ قیامت میں انسان کے کام صرف اپنے اعمال آئیں گے۔ لا تجزی نفس عن نفس۔

۳۔ وہاں ایسا کوئی رسہ گیر نہ ہوگا جو اپنے جرائم پیشہ افراد کی سفارش کر سکے گا اور نہ ہی وہ

قبول کی جائے گی۔ ولا یقبل منھا شفاعۃ کیونکہ مجرموں کے ساتھ رسہ گیروں کا مفاد وابستہ ہوتا ہے۔ لیکن شفاعت میں صرف "خدا ترسی" والی بات ہوگی۔ بہرحال وہاں سفارش رسہ گیروں جیسی نہیں ہوگی۔

ہاں ان دیدہ وروں سے سفارش ممکن ہوگی جو اذنِ الٰہی سے ان افراد کی سفارش کریں گے جو گنہگار تو ہوں گے مگر منکرِ خدا نہیں ہوں گے۔ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ (بخاری) اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ خَالِصًا مِّنْ قَلْبِہٖ۔

کیونکہ اب بات خطا اور کوتاہی کی رہ جاتی ہے جو صرف بشری کمزوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ خدا کے حضور ان کی سرکشی اور بغاوت کا ان پر الزام نہیں ہوگا۔ سفارش کنندہ اس امر کا پابند ہوگا کہ جائز سفارش کرے۔ وَقَالَ صَوَابًا (پ۳۰ - عم) جائز کے یہی معنی ہیں کہ مجرم میں گندے دھبے تو ہوں لیکن ان کا محرک "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" کی ڈینگ نہ ہو بلکہ ہر خطا پر ان کو خوفِ خدا کے احساس کے جھٹکے بھی ان کو محسوس ہوتے ہوں۔

۴۔ وہاں رشوت کی قسم کی کوئی سبیل ممکن نہیں رہے گی، نہ ہی کوئی مال فدیہ کی کوئی بات ہوگی۔ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْھَا عَدْلٌ۔

۵۔ وہاں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہوگی جو خدا کے مقابلے میں خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور آپ کی کوئی مؤثر مدد کر پائے۔ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ۔

۶۔ بچوں اور عورتوں کا قتلِ عام فراعنہ کی سنتِ سیئہ ہے اسلام نے جنگ میں بھی اس کی اجازت نہیں دی۔

۷۔ طاقتور حکمران افراد اور اقوام اگر غلط رَو میں تو ان کا مستقبل شدید خطرہ میں ہوتا ہے۔ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ۔

۸۔ معصیت اور عدوان شرک اور کفر بھی توبہ اور رجوع الی اللہ سے معاف ہو سکتے ہیں۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ اس لیے ایسے افراد اور اقوام کو تبلیغ جاری رکھنی چاہیے، کیا پتہ کس وقت کسی کو ایمان اور رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو جائے۔

۹۔ دنیا میں ان مادی آنکھوں سے "خدا" کا دیدار ممکن نہیں ہے (فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ)

من زعم ان محمداً رأی ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ۔ (مسلم)

۱۰۔ خرقِ عادت کا سلسلہ روزِ اوّل سے جاری ہے اور انبیاء اور صلحاء سے حسبِ مراتب

سب ممکن اور برحق ہیں۔ (ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ)

۱۱۔ حلال اور طیب صرف وہ ہے جو حق کی بخشش یا اس کے قوانین کے مطابق حاصل ہو۔ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔

۱۲۔ فتح و نصرت، بیٹھے بٹھائے حاصل نہیں ہوتی، جان جوکھوں میں ڈالنا پڑتی ہے۔ لیکن مظفر و منصور ہونے کے بعد بھنگڑا ناچ نہیں، توبہ و استغفار اور نوافل کا التزام کرنا چاہیے۔ ادخلوا هذه القرية الاية۔

۱۳۔ انعام و اکرام اور اعزاز جس طرح مل سکتا ہے، اسی طرح اگر ان کی شرم نہ رہے تو ضائع بھی ہو سکتا ہے۔ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا لیکن بے سبب یہ انقلاب نہیں آتا بلکہ یہ انقلاب خود ان کے اندر سے اٹھتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (پ ۱۳۔ رعد ع ۲)

اسرار احمد سہاروی

نفسی نفسی کا ایک عالم ہے

زندگی پُر الم بناتی ہے
ربِّ عالم تیری دہائی ہے

ایک سہارا تھا دل کا مبہم سا
وہ بھی اب رہین بے وفائی ہے

نفسی نفسی کا ایک عالم ہے
بے خودی سی ہر اک پہ چھائی ہے

دل سکون کو ترس گئے تو یہ
کیا قیامت جنوں نے ڈھائی ہے

عشق بدنام ہے ہوس کے لیے
حسن بے تابِ خود نمائی ہے

بے نیازی کا ذوق ہی نہ رہا
ہاتھ میں کاسۂ گدائی ہے

ہوس نہ ہے دشمنِ تمکین
سادگی رہینِ بے نوائی ہے

ہر نفس سرکشی پہ مائل ہے
ہر نظر کاسۂ گدائی ہے

زندگی کا ہی کیا بھروسہ ہے
جاں بھی اپنی نہیں پرائی ہے

ترکِ ذوقِ عمل کی کیسی سزا
ہم نے فطرت سے آج پائی ہے

ترکِ ذوقِ یقین کر دینا
اپنے خالق سے بے وفائی ہے

دار الافتاء

مولانا سیف الرحمٰن، بی اے

غوث، قطب اور ابدال

کا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے

مشرکین مکہ۔ مکہ کے مشرک نہایت ضدی اور ہٹ دھرم تھے۔ اپنے آباؤ اجداد کی رسومات پر جان دینے سے دریغ نہیں کرتے تھے وہ بتوں کے پجاری اور بت تراش بھی تھے۔ ہر گھر میں بت موجود تھے حتیٰ کہ خانۂ خدا جیسا مقدس مقام بھی ان بتوں کی پلیدی سے محفوظ نہ تھا۔ ان کے عقائدِ باطلہ اور آراء فاسدہ کا قرآن کریم نے جابجا ذکر کیا ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ جب کسی مصیبت میں پھنس جاتے تو صرف اللہ واحد لاشریک کو پکارتے اور کہتے الٰہی! ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا۔ بس پھر ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔" مگر جب ان کی مصیبت رفع ہوتی تو اللہ کی کرم نوازی بھلا کر پھر اپنے بتوں کی طرف رجوع کرتے اور کہتے یہ سب کچھ ان کی طفیل ہوا ہے، چنانچہ قرآن کریم اس بات کا شاہد ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے اور کشتی کو چاروں اطراف سے موجیں گھیر لیتیں تو سب کچھ بھول جاتے۔ پھر خدا یاد آتا۔ اور اسے پکارتے۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (یونس) الٰہی! ہمیں اس مصیبت سے نجات دے پھر ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔

لیکن جب کشتی ساحلِ سلامتی پر پہنچتی تو پھر اللہ کے آستانہ کو چھوڑ کر اوروں کے در و دیوار کے سامنے سر جھکاتے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (عنکبوت) جب وہ (مشرک) کشتی میں سوار ہوتے تو صرف اللہ کو پکارتے اور دینِ خالص اسی کا سمجھتے لیکن جب ان کی کشتی ساحلِ سمندر پر پہنچا کر نجات دیتا تو پھر شرک کرتے (یعنی کہتے کہ ہم نے فلاں بزرگ یا فلاں بت کی طفیل نجات پائی)

دورِ حاضر کے مشرکین۔ مگر ہمارے زمانہ کے مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ کی بارگاہ میں دستِ دعا پھیلانے اور اغثنی یا اللہ، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث وغیرہ وظائف اور دعائیں کرنے کے بجائے صلوٰۃِ مکتوبہ کے بعد صلوٰۃِ غوثیہ

کا اہتمام کرتے ہیں جو قبلہ رُخ ہونے کے بجائے بجانب شمال منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نماز شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام کی پڑھتے ہیں۔ حالانکہ پیر صاحب نے نہ یہ نماز خود ہی پڑھی اور نہ اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب میں اس کا ذکر کیا۔ پھر خدا جانے ان لوگوں نے کہاں سے صلوٰۃ غوثیہ اور صلوٰۃ رجبیہ وغیرہ کا صلوٰۃ مکتوبہ کے ساتھ ٹانکا لگا دیا ہے۔ اگر آج پیر صاحب اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف فرما ہوتے تو ان پر خوش ہونے کے بجائے ان کے اس فعل پر سخت ناراض ہوتے اور ان پر بدعتی اور مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کرتے کیونکہ یہ نمازیں وہ ہیں جن کے متعلق ما انزل اللہ بہا من سلطان۔

نیز برآں مسجد میں بیٹھ کر مسنون ذکرِ الٰہی کو ترک کر کے یا غوثِ اعظم کا مشرکیہ وظیفہ کرتے ہیں یا اس مشرکانہ وظیفے کی رٹ لگاتے ہیں۔

امداد کُن امداد کُن در دین و دنیا شاد کُن
از بندِ غم آزاد کُن یا شیخ عبدالقادرا

یا حضرت معین الدین چشتیؒ کو اپنا کامل حاجت روا اور مشکلکشا تصور کرتے ہوئے اس مشرکانہ وظیفے کو زور شور سے پڑھتے ہیں۔

یا معین الدین چشتی — در گرداب بلا افتاد کشتی

ایسے مشرکانہ وظائف پر ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ بلکہ اپنی مسجدوں اور مدارس کے نام بھی غوثیہ اور جیلانیہ رکھتے ہیں اور مسجدوں کے سامنے جلی حروف میں یا غوثِ اعظم یا غوث الثقلین یا غوث المستغیثین یا غوثِ پاک وغیرہ لکھتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔

دونوں کا موازنہ - آپ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا سوچیے اور غور کیجیے۔ پھر بتائیے کہ دورِ حاضر کے مشرکوں اور مشرکینِ مکہ میں کون سا نمایاں فرق ہے جس کے باعث ان کو اسلام کے شیدائی اور ان کو اسلام کے دشمن تصور کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے مماثل ہیں اور مشرک ہونے میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی ظاہری فرق نظر آتا ہے تو بس یہی کہ یہ مسجدمیں اگر چہ برائے نام رسمی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر مشرکانہ وظائف اور تصورِ شیخ میں محو ہو جاتے ہیں اور وہ نماز کے منکر تھے۔ وہ نماز کی آڑ میں بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ علی الاعلان اپنے گھروں میں بت رکھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے جھکتے تھے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور و فکر ہے کہ وہ مشرک اور کافر اور اللہ سے دور ہونے کے باوجود مصیبت اور تنگی کے موقع پر تمام سہاروں کو چھوڑ کر اسی رب العزت

اسے اختیار ہوتا ہے کہ اسے قصاصاً قتل کردیا جائے۔ تو پھر نہ معلوم اس سے حدِ قصاص کو کیوں مرفوع سمجھا گیا ہے۔

قولہ :۔ مقتول کا ولی ایسا شخص نہ ہو جس کو قاتل سے قصاص کا حق نہ ہو (شرط نمبر ۴)

اقول : تو پھر وہ ولی کس چیز کا ہوا؟

فائدہ :۔ مزید تفصیل میں جانے سے قبل ہم یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ پیش آمدہ مسئلہ میں احناف اور جمہور محدثین کا اختلاف دو باتوں پر مبنی ہے (۱) عصمتِ دم دار الاسلام پر مبنی ہے یا اسلام پر (۲) خبر واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص درست ہے یا نہیں۔

۱۔ اول الذکر میں جمہور محدثین کا مسلک ہے کہ مسلمان جہاں بھی ہو اسے ابدی عصمتِ دم حاصل ہوگی۔ کیونکہ اسے یہ اعزاز بوجہ اسلام حاصل ہوا ہے چنانچہ جب تک اسلام ہے اس اعزاز کو سلب نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن احناف کے نزدیک انسان اگر دار الاسلام میں آجائے تو اسے بھی عصمت ابدیہ حاصل ہوگی خواہ وہ ذمی ہو یا کوئی اور ــــــ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں چلا جائے تو اس کی عصمتِ دم ختم ہو جائے گی اور کوئی کافر دار الاسلام میں آجائے تو اسے عصمت حاصل ہو جائے گی ــــــ اس بحث کو ہم سردست موقوف رکھتے ہوئے قارئین سے انصاف کی بھیک مانگتے ہیں کہ وہ فرمائیں کہ یہ نقطۂ نظر کس حد تک روحِ اسلام سے تطابق رکھتا ہے۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ۱۹۴۷ء کے واقعہ پر اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جن مسلمانوں کو سکھوں اور ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا ان پر فردِ جرم عاید نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ دار الحرب میں تھے یا پھر یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ احناف نے ابھی تک ہندوستان کو دار الحرب قرار ہی نہ دیا تھا۔ اسی طرح پاکستان میں جن سکھوں وغیرہ کو قتل کیا گیا وہ مسلمان ماخوذ ہوں گے کیونکہ یہ دار الاسلام تھا خواہ وہ ذمی تھے یا نہیں ــــــ یا پھر احناف نے ابھی تک پاکستان کو دار الاسلام باور ہی نہ کیا تھا۔

۲۔ جہاں تک ثانی الذکر مسئلے کا تعلق ہے یہ علماء کے نزدیک بڑا اہم اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے جس میں احناف اور جمہور محدثین کا خاصا اختلاف ہے۔ احناف خبر احاد کے ساتھ عمومات قرآن کے قائل نہیں جبکہ جمہور محدثین قائل ہیں۔ یہ اوراق اس بات کے متحمل نہیں کہ اس مسئلہ کو بالتفصیل لکھا جائے لیکن اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ نبی علیہ السلام کی ہر حدیثِ صحیح خواہ متواتر ہو یا احاد سے قرآن مجید میں تخصیص ہو سکتی ہے ورنہ بہت سے امور ایسے رہ جائیں گے جو اجمال پر مبنی ہیں اور ان کی تفصیل و تشریح حدیث کے علاوہ ممکن نہیں اور خبر احاد سے متعلق

اس منفی اصول کو اپنانا دراصل اسلامی مجموعۂ قوانین و احکام سے راہِ فرار اختیار کرنے کے مترادف ہے اور اس حدیث کا مصداق ہے کہ:

لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر مما امرت بہ او نھیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد)

اور علامہ ابن القیمؒ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو رَدّ کر دینے کا سلسلہ اسی طرح بڑھتا رہے (ظاہر کتاب کا جو مفہوم کوئی شخص سمجھ رہا ہے وہی صحیح ہے) تو اکثر سنن رَدّ کر دی جائیں گی اور بالکلیہ باطل قرار پائیں گی اور جو کوئی بھی چاہے عموم یا اطلاقِ آیات کے بہانہ سے اپنے مذہب کے خلاف ہر سنت صحیحہ کا رد کر سکتا ہے وہ بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ یہ سنت اس فلاں عمومِ قرآنی کے مخالف ہے یا اس اطلاق کے خلاف پائی جاتی ہے لہٰذا ناقابلِ عمل ہے۔ جیسے روافض نے یہ حدیث رَدّ کر دی۔ "نحن معاشر الانبیاء لا نورث" اور دلیل میں قرآن کا یہ عموم لائے ہیں کہ "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" الآ لہٰذا کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے فہمِ قرآن کے مطابق کسی سنت کو رَدّ کر دے سوائے اس صورت کے کہ وہ اس کا ضعیف ہونا ثابت کر دے (حیات ابن حنبل ص ۳۲۵)

بہرحال احناف نے یہ اصول دراصل اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے وضع کیا ہے ورنہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ کسی طرح بھی قابلِ فہم و عمل نہیں چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ احناف کے اس اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ومن اللطائف التی تلما ظفر لحفظ مذھبہ ما اخترعتہ المتاخرون لحفظ مذھب ابی حنیفۃ وھی عدۃ قواعد یردون بھا جمیعا ما یحتج بہ علیھم من الاحادیث الصحیحۃ" (فتاویٰ عزیزیہ ص ۶۶‏/۱۴۰)

شاہ صاحب کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے تمام اصول بعد میں آنے والوں نے حسبِ منشا بنائے ہیں تاکہ ان کی آڑ میں خلافِ مذہب احادیث صحیحہ کو رَدّ کیا جا سکے حالانکہ ایسے حسبِ مفاد خودساختہ اصولوں سے حدیث کو رَدّ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حدیث بہرکیف ان وضعی قواعد سے اعلیٰ و افضل اور واجب العمل ہے، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:-

فان رعایۃ الحدیث اوجب من رعایۃ تلک القاعدۃ المخرجۃ (حجۃ اللہ البالغۃ ص ۱۵۶‏/۱۴۰)

اور در حقیقت ان اصولوں کا امام ابو حنیفہؒ کی طرف انتساب بہت بڑی زیادتی و جسارت ہے اور ان کی طرف یہ نسبت بالکل غلط ہے کیونکہ یہ تمام قاعدے متاخرین کی سعی ناشکور کا ثمرہ ہیں جنھوں نے اپنے مذہب کے بے جا تحفظ کے لیے یہ قوانین وضع فرمائے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

وهذه الاصول المذكورة فی كتاب البزدوی ونحوه وانما الحق ان اكثرها اصول مخرجة علی قولهم وعندی ان المسئلة القائلة بان الخاص مبين لا يلحقه البيان وان الزيادة نسخ وان العام كالخاص وامثال ذلك اصول مخرجة علی كلام الائمة وانها لا تصح بها رواية عن ابی حنيفة وصاحبيه (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۶۰)

استاذ ابو زہرہ احناف کے اس نظریے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الفاظ خصوص و عموم سے متعلقہ مسائل اور ان کے ظنی اور قطعی ہونے کے اعتبار سے ان کی دلالت کی نسبت فقہائے عراق کے سرخیل امام ابو حنیفہؒ کی طرف کیسی بھی ہو ان کے شواہد سے اہل الرائے کے ذاتی رجحانات کا اندازہ ہو جاتا ہے مگر ان رجحان کو بہ قول ان کے یہاں احادیث صحیحہ کی قلت یا ان تک پہنچنے والے بعض آثار ہیں ...... آپ دیکھتے ہیں کہ وہ زیادہ تر نصوص قرآنیہ میں حجت لانے میں مبالغہ کرتے ہیں اور اس موضوع پر وارد شدہ احادیث کی طرف چنداں توجہ نہیں دیتے۔ (حیات ابو حنیفہؒ ص۴۱۲)

استاذ موصوف نے ایک اور جگہ امام ابو حنیفہؒ کے اس مسلک کا اعتذار کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

شاید امام ابو حنیفہؒ کے تنہا نصِ قرآنی پر اعتماد کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو احادیث کی رسائی حاصل نہ ہو سکی اگر احادیث ان تک پہنچ جاتیں تو تبیین و تشریح قرآن میں ضرور ان سے مدد لیتے۔ (حیات امام ابو حنیفہ ص۴۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا عمومِ قرآن کی تخصیص نہ کرنا اور اس کا ثبوت نہ ملنا اس بنا پر نہیں کہ امام صاحب تخصیص کے قائل نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ احادیث آپ تک نہیں پہنچیں۔ (واللہ اعلم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سنت کو بالائے طاق رکھ کر قرآن مجید کے مطالب و معانی نہیں سمجھے جا سکتے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مربوط ہیں کہ نہ دونوں آپس میں متعارض و متصادم ہیں نہ ایک سے دوسرے کا انقطاع ممکن ہے اور سنت ہر حال میں قرآن مجید کی تبیین و تشریح ہے چاہے وہ متواتر کی

صورت میں ہو یا احاد کی ــــ اور سنت کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں کیونکہ اس کے بغیر کتاب و سنت سے استفادہ ناممکن ہے اور جو حضرات احادیث کو چھوڑ کر محض قرآن پر اکتفا کرنے کے قائل ہیں وہ دراصل ضلالت میں ہیں جیسا کہ متعدد آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس پر دال و شاہد ہیں۔

نیز بات یہیں ختم نہیں ہوتی، ہم سینکڑوں مسائل ایسے دکھا سکتے ہیں جن میں خود احناف نے اپنے وضع کردہ اس اصول کی مخالفت کرتے ہوئے قرآنی عمومات کی تخصیص اور مطلقات کی تقیید کی ہے مثلاً وضو میں مطلق راس کی ربع راس کے ساتھ تقیید کس دلیل سے ہے (۲) قہقہہ سے وضو ٹوٹنا کس دلیل سے ہے اس میں تو صحیح خبر احاد بھی پیش نہیں کر سکتے (۳) ایک تکبیر کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ تقیید کس دلیل سے (۴) دیہات میں جمعہ ناجائز کہنا کس دلیل سے ہے (۵) ولادت وغیرہ کے مقدمہ میں صرف ایک عورت کی گواہی معتبر ہونی کس دلیل سے ہے (۶) ایک وضو سے کئی وقت کی نماز کیا پڑھنی کس دلیل سے (۷) نماز کے اوقات پنجگانہ کی تحدید کس دلیل سے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح صرف نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ہی کے متعدد مسائل ہیں جن میں احناف نے خبر احاد ہی نہیں بلکہ قیاس سے بھی تخصیص و تحدید اور تقیید فرمائی ہے اور کوئی خبر متواتر موجود نہیں ہوتی۔

؎ جب تیری زلف میں آئی تو حسن کہلائی وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

عود الی المقصود۔ بحث رواں کے مقدمات پر طائرانہ نظر کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی موصوف نے دوسرے مسئلہ کے ضمن میں فریقِ ثانی کے دلائل کا تجزیہ کیے بغیر احناف کے دلائل ذکر کرنے ہی اکتفا کیا ہے بنا بریں ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ ہم فریقین کے دلائل قارئین کے سامنے رکھیں تاکہ وہ خود فیصلہ فرمائیں کہ آیا دلائل کی روشنی میں ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنا چاہیے یا نہیں؟

واضح رہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنے کے قائلین میں امام شافعی، امام احمد اور ثوری وغیرہ شامل ہیں جبکہ قتل کے قائلین میں امام ابوحنیفہؒ اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ ہیں چنانچہ علامہ ابنِ رشد اس تفصیل کو یوں نقل فرماتے ہیں کہ:۔

واما قتل المومن بالکافر الذمی فاختلف فی ذلک علی ثلاثة اقوال فقال قوم لا یقتل مومن بکافر وممن قال به الشافعی والثوری واحمد و داؤد و جماعة وقال قوم یقتل به وممن قال به ابوحنیفة واصحابه وابن ابی لیلی (بدایة المجتهد ص ۲۹۹ ج ۲)

یاد رہے تیسرا مسلک امام مالک وغیرہ کا ہے جو کہ تفریق پر مبنی ہے جسے یہاں بوجہ اختصار

ترک کیا جاتا ہے۔

دلائل فریق اوّل۔ امام شافعی وغیرہ نے قرآن و حدیث کے علاوہ آثار سے بھی استدلال کیا ہے جیسا کہ درج ذیل دلائل سے واضح ہو گا چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں قرآن سے استدلال کرتے ہوئے درج ذیل آیات پیش کی ہیں۔

۱۔ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (نساء)

علامہ شوکانی اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

ولو كان للكافر ان يقتص من المسلم لكان في ذلك اعظم سبيل وقد نفى الله تعالى ان يكون له عليه سبيل نفيا مؤكدا۔ (نيل الاوطار ص ج ۷)

۲۔ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ (حشر)

علامہ کاسانی حنفیؒ اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"الا ترى ان المسلم مشهود له بالسعادة والكافر مشهود له بالشقاوة فانى يتساويان"

نیز فرماتے ہیں کہ: ولان المساواة شرط وجوب القصاص ولا مساواة بين المسلم والكافر (البدائع والصنائع ص ۴۶۳۵ ج ۱۰)

۳۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ (قلم)

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ (سجدہ)

ان آیات کو ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فوجب يقينا ان المسلم ليس كالكافر في شئ اصلا ولا يساويه في شئ فاذا هو كذلك فباطل ان يكافئ دمه بدمه او عضوه لعضوه او بشرته ببشرته فبطل ان يستقاد للكافر من المومن او يقتص له منه فيما دون النفس اذ لا مساواة بينهما اصلا ولما منع الله عزوجل ان يجعل للكافرين على المومنين سبيلا. ووجب ضرورة ان لا يكون له عليه سبيل في قود ولا في قصاص اصلا ووجب ضرورة استعمال النصوص كلها اذ لا يحل ترك شئ منها۔ (محلى ابن حزم ص ۳۵۲ ج ۱۰)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا حکم ہرگز ذمی وغیرہ کے حکم جیسا نہیں ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ایسی ہیں جن سے یہی مفہوم ادا ہوتا ہے جن کو اختصار کے پیش نظر موقوف کیا جاتا ہے۔

احادیث - فریق اول نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ:

فعمدة الفريق الاول ما روى من حديث على انه سأله قيس بن عبادة والاشتر هل عهد اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم عهدا لم يعهد الى الناس قال لا الا ما فى كتابى هذا فاخرجه كتابا من قراب سيفه فاذا فيه المؤمنون تتكافأ دماءهم ويسعى بذمتهم ادناهم وهم يد على من سواهم الا لا يقتل مؤمن بكافر ولا ذو عهد فى عهده من احدث حدثا او اوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين (بداية المجتهد ص ۲۹۹ ج ۲)

۲- یہی روایت بالفاظ دیگر ابو جحیفہ کے واسطہ سے بخاری، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور مسند احمد میں بھی آتی ہے - اور حضرت علیؓ ہی سے ایک روایت احمد، نسائی، ابوداؤد میں بھی بایں الفاظ منقول ہے۔

ان النبى صلى الله عليه وسلم قال المومنون تتكافأ دماءهم وهم يد على من سواهم ويسعى بذمتهم ادناهم الا لا يقتل مومن بكافر ولا ذو عهد فى عهده۔

۳ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى صلى الله عليه وسلم قضى ان لا يقتل مسلم بكافر (ولا ذو عهد فى عهده) (ترمذى ابوداؤد واحمد و ابن ماجه)

قاضی صاحب اور ان کے پیش رو حضرات نے اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے جو عطف کا مسئلہ پیش کیا ہے کہ معاہد کے مقابلہ میں حربی ہوتا ہے لہذا یہاں مراد کافر حربی ہے - اس کے حافظ ابن حجرؒ نے فتح اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں متعدد جواب دیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شبہ دراصل اصول سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ علامہ مبارکپوریؒ اس شبہ کے ازالہ میں فرماتے ہیں کہ:

"بان هذا مفهوم صفة والخلاف فى العمل به مشهور بين ائمة الاصول ومن جملة القائلين لعدم العمل به الحنفية فكيف يصح احتجاجهم به (تحفة الاحوذى ص ۲۱۲ ج ۲)

اور علامہ شوکانیؒ مختلف جوابات دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

بان الصحيح المعلوم من كلام المحققين من النحاة وهو الذى نص عليه

الوضعی انہ لا یلزم اشتراک المعطوف والمعطوف علیہ الا فی الحکم الذی لاجلہ وقع العطف وھو ھھنا النھی عن القتل مطلقا من غیر نظر الی کونہ قصاصا اوغیر قصاص فلا یستلزم کون احدی الجملتین فی القصاص ان تکون الاخری مثلھا حتی یثبت ذلک التقدیر المدعی (نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۱)

بہرحال یہ شبہ اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا جس بنا پر اس حدیث پر کوئی آنچ آسکے۔ ومن یرید التفصیل فلیراجع فتح الباری (ج ۱۲ ص ۲۶۱)

اور علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں التنقیح کے حوالے سے ان احادیث کو صحیح الاسناد اور حسن کہا ہے۔

۴۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"لا یحل قتل مسلم الا فی احدی ثلاث، خصال زان محصن فیرجم ورجل یقتل مسلما متعمدا اورجل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ ورسول فیقتل اویصلب اوینفی من الارض (ابوداؤد۔ نسائی)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذمی کا قتل چونکہ ان تینوں اقسام کے قبیل سے نہیں لہٰذا اس کی وجہ سے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ: کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین قریش والانصار ان لا یقتل مومن بکافر (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۹۸)

۶۔ علامہ شوکانیؒ نے اس ضمن میں اس حدیث کو بھی پیش کیا ہے کہ الاسلام یعلو ولا یعلی یعنی جب ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا تو غیر شعوری طور پر اسلام کی پستی ہو گی۔ اور ذمی پر مسلمان کی فوقیت دراصل اسلام کی برتری کا ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک یہودی نے کہا کہ والذی اصطفی موسیٰ علی البشر تو مسلمان نے اسے تھپڑ رسید کیا۔ نبی علیہ السلام کے پاس شکایت گئی تو آپ نے اس سے قصاص نہیں لیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی فضیلت کا تقاضا ہے کہ اسے ذمی کے مساوی قرار نہ دیا جائے اور یاد رہے کہ احناف کے نزدیک تھپڑ مارنے میں بھی قصاص ہے تو نہ معلوم احناف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عدم قصاص کو کس چیز پر محمول فرمائیں۔

آثار:۔ امام مکحولؒ حضرت عمرؓ کے متعلق فرماتے ہیں کہ:۔

۱۔ " ان عمر اراد ان یقید رجلا مسلما برجل من اهل الذمة فی جراحة فقال له زید ابن ثابت اتقید عبدك من اخیك؟ فجعل عمر دیته (مصنف عبد الرزاق ص ۱۰/۱۰۰)

۲۔ عن ابن عمر ان رجلا مسلماً قتل رجلا من اهل الذمة عمداً ورفع الی عثمان فلم یقتله وغلظ علیه الدیة مثل دیة المسلم (بیهقی ص ۸/۳۳)

۳۔ حدثنا ابن شهاب قال کان عثمان ومعاویة لا یقید المشرك من المسلم (ایضاً ص ۸/۳۳)

امام بیہقیؒ آخری آثار کے متعلق فرماتے ہیں: "الاول موصول وهذا منقطع"

۴۔ امام زہری ہی کے واسطہ سے حضرت عثمانؓ سے یہ منقول ہے کہ ابن شاس جذامی نے شام میں ایک آدمی (ذمی) کو قتل کر دیا تو حضرت عثمانؓ نے اس کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت ابن زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرام کے کہنے پر انھوں نے اسے قتل کرنے کے بجائے ایک ہزار دینار دیت لے لی۔ اس واقعہ کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

قلت هذا من حدیث من یجهل فان کان غیر ثابت فدع الاحتجاج به وان کان ثابتا فقد زعمت انه اراد قتله فسمعه اناس من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم فرجع لهم فهذا عثمان رضی الله عنه واناس من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم مجمعون ان لا یقتل مسلم بکافر فکیف خالفتهم (بیهقی ص ۸/۳۳)

یاد رہے امام شافعی کا قول من یجهل دراصل تعریف انقطاع میں توسع کا نتیجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اس انقطاع پر جہالت کا اطلاق توسعاً کیا ہے ورنہ دراصل اس میں کوئی راوی مجہول ہے اور علت صرف انقطاع میں کی ہے چنانچہ علامہ ترکمانیؒ فرماتے ہیں۔

فلا ادری من الذی یجهل من هؤلاء وکان الوجه ان یرده الشافعی بالانقطاع بین الزهری وعثمان۔ (ایضاً)

ان آثار صحابہ کے علاوہ تابعین میں سے زہری، عکرمہ اور عطاء کا بھی یہی مسلک ہے اور ان سے اس مسئلہ پر متعدد فتاویٰ بھی منقول ہیں جیسا کہ مصنف عبد الرزاق وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اکثر اهل العلم لا یوجبون علی مسلم قصاصا بقتل کافر کان روی ذلك عن عمر وعثمان وعلی وزید بن ثابت ومعاویة وبه قال عمر بن عبد العزیز وعطاء والحسن وعکرمة والزهری وابن شبرمة ومالك والثوری والاوزاعی والشافعی واسحاق وابو عبید

والبوثورؒ وابن المنذر (المغنی ج ۹ ص ۳۴۱)

دلائل فریق ثانی ۔ احناف نے بھی اپنے مدعیٰ کی تائید میں چند آیات سے احتجاج کیا ہے مثلاً علامہ کاسانی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ:

"ولنا عمومات القصاص من نحو قوله تبارك وتعالىٰ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلَىٰ" وقوله سبحانه وتعالیٰ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (بدائع ج ۱۰ ص ۴۶۲۵)

یعنی القصاص فی القتلیٰ اور النفس بالنفس کی عمومیت کا یہ تقاضا ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے۔

حالانکہ اس تعمیم کی تخصیص ان احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے جو اس سلسلہ میں مروی ہیں اور اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ:

ومن جملة ما احتج به القائلون بانه يقتل المسلم بالذمي عموم قوله تعالىٰ النفس بالنفس ويجاب بانه مخصص باحاديث الباب (نيل الاوطار ج ۷ ص ۱۱)

اور یہی بات مسئلہ پر بالتفصیل روشنی ڈالنے کے بعد علامہ قرطبیؒ نے فرمائی ہے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ:

قلت فلايصح فى الباب الاحديث البخارى وهو يخصص عموم قوله تعالىٰ كتب عليكم القصاص فى القتلىٰ الاية وعموم قوله النفس بالنفس (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۲۴۷)

حافظ ابن حزمؒ دوسری آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تورات کا حکم ہے جس کے ہم مکلف نہیں اور اگر ہم مکلف ہیں تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص ہے اور انھوں نے آیت کے سیاق وسباق سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ کافر کے لیے صدقہ کفارہ نہیں ہو سکتا جس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم مومنین کے ساتھ ہی خاص ہے۔ ان کے الفاظ ہیں۔

اما قوله الله عزوجل وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس فان هذا انما كتب الله عزوجل فى التوراة ولا تلزمنا شرائع من قبل نبينا عليه الصلاة والسلام ثم لوصح انا ملزمون ذلك لكان فى هذه الاية كالقول فى الآيات الآخر التى ذكرناها بعدها ومن الاخبار الثابتة التى اوردنا وفيها ان النفس بالنفس وايضا ففى آخر هذه الاية بيان انها فى المومنين بالمومنين خاصة لانه قال عزوجل فى آخرها فمن تصدق به فهو كفارة له" ولا خلاف بيننا وبينهم فى ان صدقة الكافر على ولى الكافر الذمى المقتول عمدًا لا تكون

حدیث البیلمانی علی تقدیر ثبوته منسوخ بقوله علیه السلام فی زمن الفتح لا یقتل مسلم بکافر (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۶)

اور یہی وہ روایت ہے جس کی طرف قاضی صاحب نے ابن سلمہ اور ابن المنکدر کے نام سے اشارہ کیا ہے اور اس کی جمیع اسناد ضعیف رواۃ پر مبنی ہیں۔ امام دار قطنیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

"ھذا ھو الاصل فی الباب وھو منقطع وروایۃ غیر ثقة"

لیعنی لے دے کے احناف کے نزدیک اس سلسلہ میں یہی حدیث ہے جو کہ منقطع ہے اور اس کے تمام راوی ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔

؎ بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا   جو چیرا تو اک قطرۂ خون نکلا

بہر حال اس کے علاوہ بھی اگر کوئی حدیث آتی ہے تو اس میں بھی عبد اللہ بن یعقوب اور عبد اللہ بن عبد العزیز جیسے مجہول راوی ہی ہیں۔

آثار: اس کے بعد اصحاب الرائے نے جن آثار کا سہارا لیا ہے ان میں سرِ فہرست حضرت علیؓ کا فیصلہ ہے جس کا ذکر قاضی صاحب نے بھی کیا ہے کہ آپ نے اہل حیرہ میں سے ایک قتل کے بدلہ میں ایک مسلمان کو قتل کر دیا تھا۔ (ملخصاً) لیکن یہ اثر حضرت علیؓ سے کسی صحیح سند سے مروی نہیں کیونکہ اس میں متعدد رواۃ ضعیف اور متکلم فیہ ہیں مثلاً حسن بن میمون۔ علی بن مدینیؒ کہتے ہیں لیس بمعروف اور قیس بن ربیع کو امام نسائیؒ نے متروک، دار قطنیؒ نے ضعیف، کہا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں روی احادیث منکرۃ وکان کثیر الخطأ۔ ابن معین فرماتے ہیں ضعیف لا یکتب حدیثه۔

ان کے علاوہ اس سند کا مدار ابو الجنوب ہے جس کے متعلق ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ ضعیف بین الضعف لا یشتغل به اور امام دار قطنیؒ نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

لیعنی یہ اثر بلحاظ سند اس قابل نہیں کہ اس سے احتجاج ہو سکے بالخصوص جبکہ دوسری روایت میں خود علیؓ یہ مرفوع الفاظ بیان کرتے ہیں کہ لا یقتل مسلم بکافر تو پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کو فرمانِ نبوی کا علم بھی ہو اور اس کی مخالفت بھی کریں۔ امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے یہی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

وفی حدیث ابی جحیفة عن علی لا یقتل مسلم بکافر دلیل علی ان علیا لا یروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً یقول بخلافه (نصب الرایۃ ج ۴ ص ۳۳۷)

عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا اور وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ کے علاوہ الاسلام یعلو ولا یعلی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔

احادیث: احناف جن احادیث سے احتجاج کرتے ہیں ان میں سرفہرست ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ:

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل مسلما بمعاھد وقال انا اکرم من وفی بذمتہ (دارقطنی ص ۱۳۵ ج ۳)

لیکن یہ حدیث بوجہ ضعف قابلِ استدلال نہیں کیونکہ اس میں متعدد رواۃ متکلم فیہ ہیں مثلاً:

عمار بن مطر — جس کو ابن حبان نے سارق الحدیث، رازی نے یکذب، اور ابن عدی نے احادیثہ بواطیل کہا ہے۔

ابراہیم بن محمد — امام احمد فرماتے ہیں یروی احادیث لیس لہا اصل قطان نے کذاب کہا ہے اس کے علاوہ امام بخاری، دارمی، نسائی اور دارقطنی جیسے اصحابِ فن نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

اس حدیث کو امام دارقطنی نے سنن میں متعدد طرق سے ذکر کیا ہے لیکن مدار دو راویوں پر ہے اول عمار بن مطر جس پر سند کا مدار ہے اور علامہ محدث ڈیانوی اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

والحمل فیہ علی عمار بن مطر الرھاوی وکان یقلب الاسانید ویسرق الحدیث حتی کثر ذلک فی روایاتہ وسقط عن حد الاحتجاج (سنن دارقطنی حاشیہ ص ۱۳۵ ج ۳)

دوسرا راوی عبد الرحمان بن البیلمانی ہے جس سے یہ روایت کبھی موصولاً اور کبھی مرسل طور پر منقول ہے لیکن اس کا موصول بیان کرنا عمار کی غلطی ہے اور ابن بیلمانی اسے مرسل ہی بیان کرتا ہے تاہم وہ بھی ضعیف ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں:

وابن البیلمانی ضعیف لاتقوم بہ حجۃ اذا وصل الحدیث فکیف بما یرسلہ (سنن ص ۱۳۵ ج ۳)

بہر حال یہ حدیث فنی نقطہ نظر اور روایت و درایت کے اعتبار سے اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جائے۔

نیز علامہ حازمی نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ ابن بیلمانی کی حدیث اگر ثابت بھی ہو تو اسے فتح مکہ کے خطبہ کی وجہ سے منسوخ سمجھا جائے گا۔ امام شافعی کے الفاظ ہیں:

کما دم لہ خبطل تعلقہم لہذہ الآیۃ (محلی ص ۳۵۱ ج ۱۰)

اور پہلی آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

وھذا نص جلی بانھا فی المومنین خاصۃ بینہم فی بعض فقط لانہم اخوۃ کلہم فاسقہم وصالحہم عبدہم وحرہم ولیس اہل الذمۃ ولا الکفار اخوۃ لھم (محلی ص ۳۵۲ ج ۱۰)

یعنی اس کا مدلول بھی مومنین ہی ہیں جن میں باہمی اخوت کا رشتہ ہے اور ان کا کوئی طبقہ اس رشتہ سے بالاتر نہیں جبکہ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان اس قسم کی اخوت کا کوئی ناطہ نہیں ہے۔ امام شافعی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"فمن عفی لہ من اخیہ شیئ" لانہ جعل الاخوۃ بین المومنین فقال انما المومنون اخوۃ وقطع ذلک بین المومنین والکافرین ودلت سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ظاہر الایۃ (کتاب الام ص ۳۲ ج ۶)

یعنی ان آیات کی اس حدیث کے ساتھ تخصیص ہو سکتی ہے جیسا کہ علامہ زیلعیؒ نے حدیث عائشہ کے الفاظ "ورجل یقتل مسلما متعمدا" کو ابن مسعودؓ کی روایت کے الفاظ النفس بالنفس کی تفسیر و تخصیص کہا ہے۔ تاہم اگر اس تخصیص بالحدیث کو تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بقول حافظ ابن حزم ان آیات کی تخصیص ان مذکورۃ الصدر آیات سے بھی ہو جاتی لہٰذا اس تعمیم سے احتجاج واستدلال کا کوئی جواز نہیں اور اسی قبیل سے ومن قتل مظلوما کی تخصیص ہے۔

اسی طرح احناف کی طرف سے پیش کردہ آیت وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کا جواب دیتے ہوئے حافظ ابن حزم فرماتے ہیں۔

واما قولہ تعالیٰ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فھو ایضا فی المومنین بینہ ایۃ خاصۃ لان نصھا "وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللہ" ولاخلاف فی ان من لیس للکفار ولا اجر لھم البتۃ (محلی ص ۳۵۲ ج ۱۰)

یعنی یہ آیت بھی مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ کفار کے لیے تو کسی صورت میں بھی اجر نہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وان عاقبتم فعاقبوا بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ کفار کے لیے وہ صبر کریں یا نہ کریں ان کو خیر یا اجر نہیں ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا

بہرحال ان آیات کی تخصیص صریحہ اور تاویل صحیحہ کے علاوہ لَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ

شائد خدا آج کے بھٹکے ہوئے مسلمان کو ہدایت عنایت فرما دے اور آج کے احناف بھی اسی طرح حدیثِ نبوی کو حرفِ آخر سمجھنے لگیں۔ قصہ ہے امام زفرؒ کا — امام موصوف مملکتِ حنفیہ میں کوئی محتاجِ تعارف نہیں۔ حنفی مسلک کے بیشتر مسائل میں فتویٰ ان کے قول پر ہوتا ہے۔ ان کا ذکر ہے کہ ایک دن ان سے عبدالواحد بن زیاد کی ملاقات ہوئی انھوں نے کہا زفر صاحب کیا ہوا کہ لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں تالیاں بجاتے ہیں اور ہر مجلس کا موضوعِ سخن آپ بنے ہوئے ہیں۔ امام صاحب نے کہا بات کیا ہے۔ انھوں نے کہا ایک طرف تمہارا دعویٰ ہے کہ شبہات کی بنا پر حدود کو دور کرنا چاہیے لیکن دوسری طرف سب سے بڑی حد کو قائم کر رہے ہو محض شبہات کی بنا پر۔ وہ ہے کیا؟ امام زفر نے کہا — ابن زیاد نے کہا نبی علیہ السلام نے تو فرمایا ہے کہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا مگر تم ہو کہ قتل کا فتویٰ دیتے ہو۔ امام زفرؒ فرمانے لگے میں شہادۃً کہتا ہوں کہ آج سے میں اس مسئلہ سے رجوع کرتا ہوں۔ (ملخصاً من البیہقی)

امام زفرؒ کا یہی واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادیؒ حافظ ابو بکرؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

کان زفر بن الھذیل من افاضل اصحاب ابی حنیفۃ فلما حاجہ عبد الواحد فی مناظرتہ دفت فی عضدہ بحجتہ اشھد علی رجعتہ خیفۃ من صدع بدعی ثباتہ علی قولہ الذی سبق منہ بعد ان تبین لہ انہ زلۃ وخطاء فکذلک یجب علی کل من احتج علیہ بالحق ان یقبلہ ویسلم لہ ولا یحملہ اللجاج والمراء علی التقحم فی الباطل مع علمہ بہ قال اللّٰہ تعالیٰ "بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق" (کتاب الفقیہ والمتفقہ ص ۵۷ ج ۲)

قاضی ابو یوسفؒ کی پشیمانی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ قاضی ابو یوسفؒ کے ساتھ پیش آیا کہ آپ نے ایک دفعہ ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا لیکن تعمیلِ حکم سے قبل آپ کے پاس کسی نے رقعہ پہنچایا جس پر درج ذیل اشعار تحریر تھے۔

یا قاتل المسلم بالکافر	جرتَ وما العادل کالجائر
یا من ببغداد واطرافھا	من علماء الناس او شاعر
استرجعوا وابکوا علی دینکم	واصطبروا فالاجر للصابر
جار علی الدین ابو یوسف	بقتلہ المومن بالکافر

(الاحکام السلطانیہ للماوردی ص ۲۳۱)

یہ تھا کہ مسلمان اور ذمی ایک برابر نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا۔ لانقتل منہ بہرحال یہ اثر بھی اذا جاءالاحتمال بطل الاستدلال اور دیگر قرائن صارفہ اور مخالفِ حدیث ہونے کی بنا پر مردود ہے۔

نیز اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شہادتِ عمرؓ پر جب عبیداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور ابولؤلؤ کی بچی کو قتل کر دیا تو حضرت علیؓ نے اسے بھی قصاصاً قتل کرنے کا فیصلہ کیا حالانکہ ہرمزان مسلمان نہیں تھا۔ (ملخصاً)

لیکن یہ بات اس وجہ سے صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ ابولؤلؤ کی مقتولہ بیٹی مسلمان تھی اور یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ کیا ہرمزان اس وقت مسلمان تھا یا نہیں؟ کیونکہ امام شافعیؒ نے اس کا اسلام ذکر کیا ہے بلکہ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کے اسلام پر اس کے لیے دو ہزار درہم اس کو دیے اور قتل کیے جانے کے وقت اس کا لاالٰہ کہنا صرف تعجب کی بنا پر ہو سکتا ہے یا عبیداللہ کے اتہام پر اسے مطلع کرتا تھا۔ (دالتفصیل نصب الرایۃ ج۴ ص۳۳۶)

ابن منذر فرماتے ہیں۔ لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر یعارضہ ولانہ لایقاد المسلم بالکافر فیما دون النفس بالاجماع کما قال ابن عبدالبرؒ (فقہ علی المذاہب الاربعہ ج۵ ص۲۸۳)

امام زفر کا رجوع ۔ محترم قارئین کرام آپ نے دونوں طرف کے دلائل پڑھ لیے لہٰذا اب ہمیں مزید کسی قسم کی بحث لکھنے یا کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ خود فیصلہ فرمائیں کس فریق کے دلائل مبنی برحقیقت و صحت ہیں؟ اور کس فریق کے دعویٰ کی بنیاد دلائل قویہ، اور احادیث صحیحہ پر ہے اور جس بات کو صحیح پائیں اس پر عمل کریں اگر حنفی مسلک صحیح ہے تو اسے اپنائیں اگر شافعی مذہب درست ہے تو اسے اپنانا بھی آپ کا فرض ہے لیکن یاد رکھیے ایک طرف نبی علیہ السلام سے صحیح حدیث مروی ہے دوسری طرف آپ کا کوئی صحیح فرمان نہیں، ایک طرف صحابہؓ کا حکم غیر ہے دوسری طرف کوئی صحابی نہیں۔ ایک طرف تابعین کی معتد بہ جماعت ہے، دوسری طرف کسی تابعی سے بھی صحیح قول منقول نہیں۔ ایک طرف مسلمان کی عزت و وقار کا مسئلہ ہے دوسری طرف غیر مسلم تو ہمیت ایک طرف اسلام کی سربلندی کا مسئلہ ہے دوسری طرف کفر و الحاد۔ غرضیکہ ایک طرف حنیفیت ہے دوسری طرف حنفیت ـــــ اب آپ کے امتحان کا وقت ہے کہ آپ کس راہ کو پسند فرماتے ہیں ہم اس سلسلہ میں حکم دینے کے مجاز تو نہیں البتہ ریاست حنفیہ کے ستون کی مثال پیش کرتے ہیں کہ

اگر وہ اثر صحیح بھی ہو تو اسے اس حدیث کی اطلاع کے بعد ناسخ سمجھا جائے گا کیونکہ وصولِ حدیث کے بعد حضرت علیؓ کا اپنے فتویٰ پر مصر رہنا وغیرہ خلافِ حقیقت اور مقامِ صحابیت کے بھی خلاف ہے (یعنی اصولی نقطۂ نظر سے بھی حضرت علیؓ سے یہ اثر صحیح معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے قابلِ استدلال سمجھا جائے گا) نیز ہم حضرت کے قول کے مکلف بھی نہیں بالخصوص جبکہ نبی علیہ السلام سے اس کے خلاف صحیح حدیث مروی ہو۔

آثارِ صحابہ کے ضمن میں ایک اثر قاضی صاحب نے حضرت عمرؓ سے بھی پیش کیا ہے جو کہ حیرہ مقام کے نصاریٰ کے ساتھ متعلق ہے جس میں آپ نے قتل کا حکم فرمایا اور بعد میں فرمایا کہ اگر وہ ابھی قصاصاً قتل نہیں کیا گیا تو اسے قتل نہ کیا جائے لیکن سوءِ اتفاق کہ وہ قتل کیا جا چکا تھا۔ اس اثر کو بیہقی نے بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ اثر بھی بوجوہ قابلِ احتجاج معلوم نہیں ہوتا۔ اول یہ کہ اس کی اسنادی حیثیت کمزور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے حضرت عمرؓ سے روایات نقل کرنے کے بعد امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ۔

"قلنا ولا عرفت وهذه احاديث منقطعات او ضعاف او تجمع الانقطاع و الضعف جميعاً" (بیہقی ج ۸ ص ۳۳)

ثانیاً: حضرت عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ شام میں ایک ذمی کو مسلمان نے قتل کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اسے قصاصاً قتل کر دینے کو کہا لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے منع فرما دیا آپ نے ابو عبیدہؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کیا تم غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرو گے تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ (ملخصاً) اور عین ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا دوسرا حکم اتفاعی اسی قبیل سے ہو کہ آپ نے بعد میں اس کے قتل سے روک دیا تھا غالباً اس طرف اشارہ کرتے ہوئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

الذی رجع الیه اولی به ولعله اراد ان یخیفه بالقتل ولا یقتله (بیہقی ج ۸ ص ۳۲)

اور مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ہیں کہ، قدم عمر بن الخطاب الشام فوجد رجلا من المسلمین قتل رجلا من اهل الذمة فهم ان یقید فقال له زید بن ثابت اتقید عبدك من اخيك؟ فجعل عمر دية (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۱۰۱)

ثالثاً: حضرت عمرؓ کے متعلق بھی یہ گمان رکھنا قرینِ انصاف نہیں کہ آپ نے ارشادِ نبوت کے باوجود ایسا حکم جاری فرمایا ہو جو نبی علیہ السلام کے حکم کے منافی ہو۔ کیونکہ "مصنف" ہی کی دوسرے واقعہ کے ضمن میں حضرت معاذؓ نے آپ کو نبی علیہ السلام سے روایت بھی سنائی تھی جس کا مطلب

جب یہ اشعار قاضی صاحب کے پاس پہنچے تو آپ فوراً خلیفۂ وقت ہارون الرشید کے پاس گئے اور یہ واقعہ کہہ سنایا تو ہارون الرشید نے کہا اب کسی حیلہ سازی کے ساتھ اس واقعہ کا تدارک کرو چنانچہ قاضی صاحب نے دوبارہ ورثاء مقتول کو طلب کیا اور شہادت لانے کو کہا لیکن وہ کوئی دلیل نہ لاسکے تو آپ نے پہلا حکم واپس لے لیا یعنی ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا گیا۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ اگر پہلا حکم مبنی بر حقیقت و شریعت تھا تو قاضی صاحب کے رجوع کا کیا حکم ہو، اور قتل کا بوجھ کس پر ہوگا؟ لیکن پہلی بات چونکہ ویسے ہی غلط تھی تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ لیکن اس رجوع کے محرکات کیا تھے یہ انما الاعمال بالنیات کا مسئلہ ہے لیکن افسوس کہ علامہ ماوردی لکھتے ہیں۔

والتوصل الی مثل هذا سائغ عند ظهور المصلحة فيه (ایضاً)

یعنی مصلحت کے طور پر ایسی حیلہ سازی جائز ہے۔ نیز گویا کہ قاضی صاحب کا رجوع حقیقی نہ تھا بلکہ ایک وقتی ہنگامے کو روکنے کے لیے حیلہ پر مبنی تھا۔ قارئینِ عظام! یہی وہ حیلہ سازی ہے جو دین میں رخنہ اندازی کے مترادف ہے۔ فتدبروا۔

ہم حسنِ ظن کے پیشِ نظر سمجھتے ہیں کہ قاضی صاحب نے رجوع کر لیا تھا کیونکہ مجتہد یخطی و یصیب لیکن جب اسے معلوم ہو جائے کہ وہ غلطی پر ہے تو اسے رجوع کر لینا چاہیے اور مجتہد کی شان بھی یہی ہے اسی طرح اصولی نقطۂ نگاہ سے جب ایک مجتہد صحیح حدیث سے استدلال کر رہا ہو اور دوسرا ضعیف حدیث سے۔ تو ضعیف حدیث سے استدلال کرنے والا خطا اور غلطی پر ہوتا اور صحیح حدیث سے استدلال کرنے والا مصیب ہوتا ہے۔ زیرِ بحث مسئلہ میں بھی یہی نوعیت ہے کہ امام شافعیؒ صحیح حدیث (جو کہ بخاری کے حوالہ سے گزر چکی ہے) سے استدلال کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا استدلال ضعیف روایت سے ہے (کما مر) تو اس اصول کے پیشِ نظر امام شافعیؒ درستگی پہ ہوئے اور امام ابوحنیفہؒ غلطی پر ۔۔۔ اس بحث کو مولوی شبیر احمد عثمانی نے اپنے رسالہ ہدیۂ سنیہ میں فتاویٰ ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے امام احمد کے قول کے ساتھ یوں لکھا ہے کہ:

اذا كانت الرواية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم صحيحة فاخذ بها رجل واخذ اخر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم واحتج بالشيء الضعيف كان الحق

فیما اخذ به الذی احتج بالحدیث الصحیح وقد اخطأ الاخر فی التاویل مثل لایقتل مومن بکافر واحتج بحدیث البیلمانی قال فهذا عندی مخطئ والحق مع من ذهب الی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایقتل مومن بکافر (مجموعہ رسائل ثلاثہ۔ ص۱۶۹)

کیا پھر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ہم خیال کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مخطی نہیں؟ کیونکر نہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ امام زفر اور قاضی ابویوسف نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے صرف نظر فرمائے اور آج ہم کو بھی ان کی طرح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی توفیق بخشے۔ بالخصوص آج کے احناف کو جو اس روشنی کے دور میں بھی انہی فرسودہ مسائل کو از سرِ نو جگا رہے ہیں جن سے ان کے پیشرو حضرات رجوع کر چکے ہیں یہ توفیق ملے کہ وہ ایسی خدمتِ اسلام سے باز رہیں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کی تحقیق پر چلنے کی توفیق دے کہ وہی عین روحِ اسلام کے مطابق ہے آپ فرماتے ہیں:

لایقتل مومن عبد ولا حر ولا امراۃ بکافر فی حال ابدا وکل من وصف الایمان من اعجمی او ابکم یعقل ویشیر بالایمان ویصلی فقتل کافرا فلا قود علیہ وعلیہ دیتہ فی مالہ حالۃ سواء اکثر القتل فی الکفار ذمیا کثر و سواء قتل کافرا علی مال یاخذہ منہ او علی غیر مال لایحل واللہ اعلم قتل مومن بکافر بحال فی قطع طریق ولا غیرہ۔ (کتاب الام ص۳۳ ج۶)

علم کے موتی

۱۔ کلام شاہ اسمٰعیل شہیدؒ مرتب محمد خالد سیف	۲/۲۵		
۲۔ قول فیصل۔ ابوالکلام آزادؒ	۶/۵۰	۸۔ قیدِ فرنگ مولانا حسرت موہانیؒ	۷/۵۰
۳۔ انسانیت موت کے دروازہ پر، ابوالکلام آزادؒ	۹/-	۹۔ سرمایۂ افکار۔ پروفیسر سعید اختر	۸/-
۴۔ بلوغ المرام (عربی) ابن حجر عسقلانیؒ	۳۵/-	۱۰۔ جنت دیاں شہزادیاں۔ مولانا علی محمد صمصامؒ	۶/۵۰
۵۔ مسلمان عورت، ابوالکلام آزادؒ	۱۲/-	۱۱۔ تذکرہ۔ ابوالکلام آزادؒ (زیر طبع)	
۶۔ نماز تراویح علامہ ناصر الدین البانی	۶/۵۰	۱۲۔ محمد بن عبدالوہاب مسعود عالم ندویؒ	۱۰/-
۷۔ کالا پانی۔ محمد جعفر تھانیسریؒ	۸/۵۰	۱۳۔ تربیت نسواں۔ محمد خالد سیف	۵/-

ملنے کا پتہ:- الاخوان چنیوٹ بازار فیصل آباد

مولانا عبدالرحمان کیلانی

ہجری تقویم (۲)

دن معلوم کرنے کے طریقے

قمری مہینہ اور سال کی مدت

چاند جب زمین کے گرد اپنا ایک چکر ختم کرتا ہے تو یہ مدت قمری مہینہ کہلاتی ہے۔ چاند کی تین قسم کی حرکات ہیں (۱) اپنے محور کے گرد (۲) زمین کے گرد اور (۳) زمین کی معیت میں سورج کے گرد۔

سیاروں کے مدار پورے مدور نہیں ہوتے بلکہ بعض قوانینِ حرکت کے تحت بیضوی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ جب کوئی سیارہ گردش کرتے وقت اپنے مرکزی سیارے یا ستارے کے قریب ہوتا ہے تو اس کی رفتار نسبتاً تیز ہو جاتی ہے اور جب دور ہوتا ہے تو یہ رفتار قدرے کم ہو جاتی ہے۔ قمری ماہ کی اوسط مدت ۲۹ دن ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ اور تقریباً ۳ سیکنڈ قرار دی گئی ہے یہ اوسط مدت ہے۔ ورنہ فی الواقع یہ مدت کسی ماہ ۸ گھنٹے تک بڑھ جاتی ہے اور کبھی دو گھنٹے تک کم بھی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح قمری سال کی مدت ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۳۴ سیکنڈ قرار دی گئی ہے۔ یہ بھی حقیقتاً اوسط مدت ہے۔ قمری سال کبھی چند گھنٹے بڑھ جاتا ہے اور کبھی کم ہو جاتا ہے اور یہ فرق اتنا خفیف ہے کہ کوئی قمری مہینہ نہ تو ۲۹ دن سے کم ہو سکتا ہے اور نہ ۳۰ دن سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح قمری سال کم از کم ۳۵۴ دن اور زیادہ سے زیادہ ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے۔

عموماً حساب میں ۳۴ سیکنڈ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ۲۵۴۱ سال بعد قمری تقویم میں ایک دن کا اضافہ ہو جائے گا۔ یہ اضافہ کس سال اور کس ماہ میں ہوگا اور کون کرے گا؟ اس کے لیے ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ چاند خود بخود اپنے حساب سے یہ اضافہ کر لے گا۔

دورِ صغیر

قمری تقویم میں ۳۰ سال کے بعد دنوں کی کسور خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم قمری سال کی مدت ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ یا $354\frac{11}{30}$ کو ۳۰ سے ضرب دیں تو پورے ۱۰۶۳۱ دن حاصل ہوتے ہیں۔ ان تیس سالوں میں ۱۹ سال ۳۵۴ دن کے ہوتے ہیں اور باقی ۱۱ سال ۳۵۵ دن کے۔ ۳۵۵ دن والے سال کو ہم اپنی سہولتِ تحریر کی خاطر لیپ کا سال کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ یہ کوئی اختراعی اضافہ نہیں ہے۔ ان تیس سالوں میں مندرجہ ذیل سال ۳۵۵ دن والے یا لیپ کے سال ہوتے ہیں[1]۔

سال نمبر ۲، ۵، ۷، ۱۰، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۹

بقایا ۱۹ سال ۳۵۴ دن کے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب آپ کو "ہجری تقویم دائمی" کے باب میں مل جائے گا جو ہم ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ مختصر جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ چاند کی چال کے حساب کی رُو سے ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں جو تقاویم تقابلی متداول ہیں ان میں یہ طریق اختیار کیا جاتا ہے کہ اگر سال ۳۵۴ دن کا ہو تو پہلا مہینہ یعنی محرم ۳۰ دن کا شمار کر لیا جاتا ہے دوسرا ۲۹ دن کا تیسرا پھر ۳۰ دن کا چوتھا ۲۹ دن کا۔ علیٰ ہذا القیاس آخری ماہ ذی الحجہ ۲۹ دن کا قرار دے کر ۳۵۴ دن پورے کر لیے جاتے ہیں اور اگر سال ۳۵۵ دن کا ہو تو آخری ماہ ذی الحجہ کو بھی ۳۰ دن کا شمار کر لیتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ طریق مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اس طریقۂ کار میں کوئی مخصوص مہینہ ہمیشہ کے لیے مخصوص دنوں کا شمار کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً رمضان کا مہینہ ہمیشہ ۳۰ دن کا ہو گا۔ حالانکہ واقعتاً ایسا نہیں ہوتا۔ رمضان کا مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اور ۳۰ دن کا بھی۔ اسی طرح دوسرے تمام مہینوں کا حال ہے۔ یہ طریق حساب، حساب میں تو کام دے سکتا ہے لیکن واقعتاً صحیح نہیں ہوتا۔ نہ ہی سالانہ قمری تقویم بنانے میں کام دے سکتا ہے۔

۳۰ سالہ دَور یا دورِ صغیر کا حساب یہ ہوتا ہے کہ اس کے کسی مخصوص سال میں مہینوں کے

---

[1] قاضی سلیمان منصورپوری صاحب رحمۃ للعالمین نے لیپ کے یہ سال قرار دیے ہیں: ۲، ۵، ۸، ۱۱، ۱۳، ۱۶، ۱۹، ۲۱، ۲۴، ۲۷، ۳۰۔ لیکن نہ تو ہمارے حساب نے اس کی تائید کی اور نہ ہی تقویم تاریخی از عبدالقدوس ہاشمی اس کی تائید کرتی ہے۔

ایام اسی ترتیب، اور اسی تعداد میں آتے ہیں جتنے اور جیسے ۳۰ سال پیشتر آئے تھے یا ۳۰ سال بعد آئیں گے۔ گویا ۳۰ سال بعد یہ تقویم اپنے آپ کو دہرانا شروع کر دیتی ہے۔ مثلاً دورِ صغیر کے ۱۷ ویں سال میں رمضان اگر ۲۹ دن کا آیا ہے تو ۴۷ھ، ۷۷ھ، ۱۰۷ھ سب میں رمضان ۲۹ دن کا ہی آئے گا۔ اسی طرح اگر پانچویں سال رجب ۳۰ دن کا تھا تو ہر ۳۰ سال بعد مثلاً ۹۵ھ، ۲۱۵ھ وغیرہ کو رجب کا مہینہ ۳۰ دن کا ہو گا۔

دورِ کبیر ۷ دورِ صغیر یا ۲۱۰ سال کا ایک دورِ کبیر ہوتا ہے۔ اس کی تعیین کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں مہینہ کی تاریخوں کے علاوہ ہفتہ کے ایام بھی پہلے ہی جیسے آجاتے ہیں۔ مثلاً اگر یکم محرم الحرام ۱ھ کو جمعہ کا دن تھا اور یہ مہینہ ۳۰ دن کا تھا تو یکم محرم الحرام ۲۱۱ھ یا ۶۳۱ھ یا ۱۰۵۱ھ کو بھی جمعہ کا دن اور یہ مہینہ ۳۰ دن کا ہو گا۔

اسی طرح اگر ۱۵ رمضان ۴۴۵ھ کو بدھ کا دن اور یہ مہینہ ۲۹ دن کا ہے تو ہر ۲۱۰ سال بعد یعنی ۱۵ رمضان ۶۵۵ھ، ۸۶۵ھ، ۱۰۷۵ھ کو بدھ کا دن ہو گا اور یہ ماہ ۲۹ دن کا ہو گا۔

ان تصریحات کے بعد اب ہم کسی متعین ہجری تاریخ کا دن معلوم کرنے کے نکات پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ ہجری تقویم میں ہفتہ کا پہلا دن جمعہ اور آخری دن جمعرات ہوتا ہے۔ اگر مجموعۂ ایام کو ۷ پر تقسیم کرنے سے ایک بچتا ہے تو جمعہ، ۲ بچیں ہفتہ، علیٰ ہذا القیاس اگر ۷ بچے تو جمعرات ہوتا ہے۔

۲۔ ہر دورِ کبیر کے لیے صفر کا ہندسہ لیا جائے گا کیونکہ اس میں ۱۰۶۳۱ مکمل ہفتے ہوتے ہیں اور باقی صفر بچتا ہے۔

۳۔ ہر دورِ صغیر کے لیے ۵ کا ہندسہ لیا جائے گا کیونکہ دورِ صغیر میں ۱۰۶۳۱ دن ہوتے ہیں ۷ پر تقسیم کرنے سے ۱۵۱۸ ہفتے بنتے ہیں اور ۵ دن بچ جاتے ہیں۔

۴۔ ہر عام سال کے لیے ۴ دن اور لیپ والے سال کے لیے ۵ دن شمار ہوں گے۔ کیونکہ قمری سال کے ۵۰ ہفتے اور ۴ یا ۵ دن ہوتے ہیں۔ لیپ کے سال یہ ہیں:۔

۲، ۵، ۷، ۱۰، ۱۳، ۱۶، ۱۸، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۹

۵۔ دن معلوم کرنے کے سلسلے میں رواں سال کے مہینوں کے دن اسی ترتیب سے لیے

جاتے ہیں، جیسے تقاویم تقابلی میں درج ہیں۔ محرم کے لیے ۰ دنوں میں سے ۲ کا ہندسہ صفر کے لیے ۱، ربیع الاول کے لیے ۲ علی ہذا القیاس۔

اس طریقہ سے دن معلوم کرنے کو ہم اصولی طریق کا نام دیں گے۔

۱۔ **اصولی طریق**۔ اب ہم چند مثالوں سے اس طریق کار کی وضاحت کریں گے۔

مثال نمبر ۱:۔ یکم جمادی الاولیٰ ۷۰۰ھ کو کونسا دن تھا؟

حل:۔ (i) ۶۳۰ = تین دورِ کبیر (۳ × ۲۱۰) سال کے لیے = ۰ دن

(ii) ۶۰ = دو دورِ صغیر (۲ × ۳۰) 〃 〃 = ۵ × ۲ = ۱۰ دن = ۳ دن

(iii) ۱۰/۷۰۰ 〃 〃 = ۴ × ۱۰ = ۴۰ + ۴ لیپ والے دن (۲، ۵، ۷، ۱۰) = ۴۴ دن = ۲ دن

(iv) یکم جمادی الاول تک
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ = ۷ دن =
۲ ۱ ۲ ۱ ۱

کل دنوں کا مجموعہ (i + ii + iii + iv) = ۰ + ۳ + ۲ + ۰ = ۵ دن

جمعہ کے دن سے شروع کیجیے۔ جواب = <u>منگل</u>

مثال نمبر ۲:۔ ۱۵ رمضان ۱۲۴۷ھ کو کون سا دن ہوگا؟

حل:۔ (i) ۱۰۵۰ = (۵ × ۲۱۰) سال کے لیے = ۰

(ii) ۱۸۰ = (۶ × ۳۰) 〃 〃 = ۵ × ۶ = ۳۰ دن = ۲ دن

(iii) ۱۶/۱۲۴۶ سال کے لیے = (۴ × ۱۶) + ۶ سال لیپ کے = ۷۰ = ۰

(iv) ۱۵ رمضان تک
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی
۲ ۱ ۲ ۱
جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، رمضان = ۱۳ = ۶
۲ ۱ ۲ ۱ ۱۵ یا ۱

کل دن = ۲ + ۶ = ۸ دن یا ایک دن = مطلوبہ تاریخ کو <u>جمعہ</u> ہوگا۔

مثال ۳:- ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کون سا دن ہوگا؟

حل:- (i) ۱۲۶۰ = (۶ × ۲۱۰) سال کے لیے = ۰ دن

(ii) ۱۲۰ = (۴ × ۳۰) " " = ۵ × ۴ = ۲۰ = ۶ دن

(iii) ۱۷ سال کے لیے = ۴ × ۱۷ = ۶۸ + ۶ دن لیپ کے
۱۳۹۷ = ۷۴ = ۴ دن

(iv) رواں سال ۲۳ جمادی الآخرہ تک۔
محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی
۲ ۱ ۲ ۱ ۰ = ۱۰ = ۳
جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ
۲ ۲۳ یا ۲

کل دن = ۶ + ۴ + ۳ = ۱۳ = ۶

جمعہ کے دن سے شمار کرنے سے مطلوبہ دن بدھ ہوگا۔

۲۔ ہجری تقویم میں دن معلوم کرنے کا مشاہداتی طریق

کسی تقویم تاریخی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر آٹھ سال بعد کسی مخصوص تاریخ کو وہی دن آجاتا ہے۔ جو ۸ سال پہلے تھا۔ مثلاً اگر ۸ رجب ۱۴۳۱ھ کو منگل ہے تو ۸ رجب ۱۴۳۹ھ کو بھی منگل ہی ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۸ سالوں کے دن ۳۵۴ دن فی سال کے حساب سے ۲۸۳۲ دن بنتے ہیں اور درمیان میں ۲، ۵، ۷، تین سال لیپ کے ہوئے۔ گویا کل ۲۸۳۵ دن ہوئے۔ جو سات پر پورے پورے تقسیم ہو جاتے ہیں۔ مشاہداتی طریق میں ۸ سال کا دور صغیر ہوا۔ یعنی ہر ۸ سال صفر شمار کیے جائیں گے۔

(۲) یہ طریق ۱۲۰ سال تک چلتا ہے۔ بعد میں ایک دن کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً یکم محرم ۶۵ھ کو جمعرات تھا تو یکم محرم ۷۳ھ، ۸۱ھ، ۸۹ھ، ۹۷ھ علیٰ ہذا القیاس ۱۷۷ھ تک کو جمعرات ہی ہوگا۔ لیکن ۱۲۰ سال بعد یعنی یکم محرم ۱۸۵ھ کو بدھ ہوگا۔ اسی طرح یکم محرم ۳۰۵ھ کو منگل اور یکم محرم ۴۲۵ھ کو سوموار ہوگا[1] یہ دور کبیر ہے اور اس میں ہر ۱۲۰ سال کے لیے ایک دن

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کم کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلا دورِ کبیر ۶۴ سال کا تھا۔ شاید ہجری کے آغاز سے پہلے کے ۵۶ قمری سال میں اس میں شمار ہو جاتے ہیں۔

سال رواں کے باقی دنوں کی گنتی بحساب سابق طریق ہیئت ہی شمار کی جائے گی۔

گو مشاہداتی طریقے میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھا جائے گا۔

۱۔ پہلا دورِ کبیر ۶۴ سال کے لیے = منفی ایک دن = ۱-

۲۔ آئندہ ہر دورِ کبیر کے لیے (۱۲۰ سال کے لیے) = " " " = ۱-

۳۔ بعد میں ہر دورِ صغیر (۸ سال) کے لیے = ۰ صفر دن

۴۔ عام سالوں کے دن بحساب ۴ دن فی سال

+ لیپ کے سال کا ۱ دن فی لیپ سال

۵ سالِ رواں کے مہینوں اور دنوں کا حساب بحساب سابق

اب ہم پہلے دی ہوئی تینوں مثالوں کی مشاہداتی طریق سے جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تا آخر اس کی تفصیل یہ ہے:۔

سنہ ۶۵ھ سے سنہ ۱۸۴ھ تک	۱۲۰ سال	یکم محرم الحرام	سنہ ۱۸۵ھ	بدھ کو	ہوگا
سنہ ۱۸۵ھ سے سنہ ۳۰۴ھ تک	۱۲۰ سال	" "	سنہ ۳۰۵ھ	منگل کو	" "
سنہ ۳۰۵ھ سے سنہ ۴۲۴ھ	" "	" "	سنہ ۴۲۵ھ	سوموار "	"
سنہ ۴۲۵ھ سے سنہ ۵۴۴ھ	" "	" "	سنہ ۵۴۵ھ	اتوار "	"
سنہ ۵۴۵ھ سے سنہ ۶۶۴ھ	" "	" "	سنہ ۶۶۵ھ	ہفتہ "	"
سنہ ۶۶۵ھ سے سنہ ۷۸۴ھ	" "	" "	سنہ ۷۸۵ھ	جمعہ "	"
سنہ ۷۸۵ھ سے سنہ ۹۰۴ھ	" "	" "	سنہ ۹۰۵ھ	جمعرات "	"
سنہ ۹۰۵ھ سے سنہ ۱۰۲۴ھ	" "	" "	سنہ ۱۰۲۵ھ	بدھ "	"
سنہ ۱۰۲۵ھ سے سنہ ۱۱۴۴ھ	" "	" "	سنہ ۱۱۴۵ھ	منگل "	"
سنہ ۱۱۴۵ھ سے سنہ ۱۲۶۴ھ	" "	" "	سنہ ۱۲۶۵ھ	سوموار "	"
سنہ ۱۲۶۵ھ سے سنہ ۱۳۸۴ھ	" "	" "	سنہ ۱۳۸۵ھ	اتوار "	"

مثال ۱ :- یکم جمادی الاولیٰ ۷۰۱ھ کو کون سا دن تھا؟

حل :- (i) پہلا دورِ کبیر ۶۴ سال = ۱- دن

(ii) اگلے ۵ دورِ کبیر (۵ × ۱۲۰) ۶۰۰ سال = ۵- ″

(iii) اگلے ۴ دورِ صغیر (۴ × ۸) ۳۲ ″ = صفر ″

(iv) ″ ۴ سال (۴ × ۴) + ۱ لیپ والا سال = ۱۷ یا ۳ دن

۷۰۰ھ

(v) محرم، صفر، ربیع، ربیع الاول، جمادی الاولیٰ = ۷ یا صفر دن

۲ ۱ ۲ ۱ ۱

چونکہ پانچواں سال بھی لیپ کا ہے لہٰذا ایک دن کا مزید اضافہ ہوگا۔

یعنی کل دن = ۳ + ۷ + ۱ = ۱۱ - ۶ = ۵ دن

لہٰذا جمعہ سے شروع کر کے مطلوبہ دن منگلوار رہوگا۔

مثال ۲ :- ۱۵ رمضان ۱۲۴۷ھ کو کون سا دن تھا؟

حل :- (i) پہلے ۶۴ سال = ۱- دن

(ii) اگلے ۹ دورِ کبیر (۹ × ۱۲۰) = ۱۰۸۰ سال = ۹- یا ۲- دن

(iii) اگلے ۱۲ دورِ صغیر (۱۲ × ۸) = ۹۶ ″ = صفر دن

(iv) اگلے ۶ ″ = ۶ × ۴ = ۲۴ + ۲ لیپ والے دن

۱۲۴۶

= ۲۶ = ۵ دن

(v) ۱۵ رمضان تک

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ

۲ ۱ ۲ ۱ ۲

جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، رمضان = ۱۳ یا ۶

۱ ۲ ۱ ۱۵ یا ۱

کل دن = ۵ + ۶ = ۱۱ - ۳ = ۸ یا ۱

لہٰذا مطلوبہ دن جمعہ ہوگا۔

مثال ۳:۔ ۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کون سا دن ہوگا۔

حل: (i) پہلے ۶۴ سال " = ۔۱ دن

(ii) اگلے ۱۱ دورِ کبیر (۱۱×۱۲۰) ۱۳۲۰ سال = ۔ ۱۱ = ۔۴ دن

(iii) اگلے ۸ سال = صفر دن

(iv) " ۵ سال / ۱۳۹۷ = ۴×۵ = ۲۰ + ۲ لیپ = ۲۲ = ۱ دن

(v) ۲۳ جمادی الآخرہ تک

محرم	صفر	ربیع الاول	ربیع الآخر	= ۱۰ دن
۲	۱	۲	۱	
جمادی الاولیٰ	جمادی الآخرہ			
۲	۲۳ یا ۲			

کل دن = ۱۱ - ۵ = ۶

جمعہ سے شروع کرنے سے مطلوبہ دن بدھوار ہوگا۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مشاہداتی طریق اور اصولی طریق آپس میں کیسے مطابق ہو جاتے ہیں اس وضاحت کے لیے درج ذیل اشارات پر غور فرمائیے۔

یکم محرم الحرام ۱ھ کو جمعہ تھا۔ لہٰذا اصولی طریق کے مطابق یکم محرم ۲۱۱ھ کو جمعہ ہوگا۔ اور مشاہداتی طریق سے۔

پہلے ۶۴ سال کے لیے = ۔۱ دن

اگلے ۱۲۰ سال کے لیے = ۔۱ "

اگلے ۲۴ سال (۳ دورِ صغیر) کے لیے = صفر دن

باقی ۲ سال (۲۱۰ تک) = ۲×۴ = ۸ + ۱ لیپ کا

= کل ۹ دن = ۲ دن

یہ منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم الحرام ۲۱۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔ اسی طرح اصولی طریق کے مطابق یکم محرم ۴۲۱ھ کو جمعہ ہے تو مشاہداتی طریق سے بھ۔

پہلے ۶۴ سال کے لیے = - ۱ دن

اگلے ۲۴۰ سال (۲ دورِ کبیر) کے لیے = - ۲ "

اگلے ۱۱۲ سال (۱۴ دورِ صغیر) کے لیے = صفر "

باقی ۴ سال (۴۲۰ تک) = ۴×۴ = ۱۶ + ۱ دن لیپ

= ۱۷ دن = ۳ دن

گویا منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم الحرام ۴۲۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔

علیٰ ہٰذا القیاس بطریقِ اصولی یکم محرم الحرام ۶۳۱ھ کو جمعہ ہے تو مشاہداتی طریق سے:۔

پہلے ۶۴ سال کے لیے = - ۱ دن

اگلے ۴۸۰ سال (۴ دورِ کبیر) = - ۴ "

اگلے ۸۰ سال (۱۰ دورِ صغیر) = صفر دن

باقی ۶ سال (۶۳۰ تک) = ۶×۴ = ۲۴ + ۲ لیپ کے دن

= ۲۶ = ۵ دن

یہاں بھی منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم ۶۳۱ھ کو جمعہ ہوگا۔

اب یکم محرم ۱۲۶۱ھ کو بھی اصولی طریق سے جمعہ ہے۔ اُس کا حساب یوں ہوگا۔

پہلے ۶۴ سال کے لیے = - ۱ دن

اگلے ۱۰۸۰ سال (۹ دورِ کبیر) = - ۹ یا - ۲

اگلے ۱۱۲ سال (۱۴ دورِ صغیر) = صفر دن

باقی ۴ سال (۱۲۶۰ تک) = ۴×۴ = ۱۶ + ۱ لیپ کا دن

= ۱۷ یا ۳ دن

یہاں بھی منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے لہٰذا یکم محرم ۱۲۶۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔

۳۔ بذریعہ ہجری تقویم دائمی دن معلوم کرنے کا طریقہ

اگلے باب میں ایک کثیر الفوائد ہجری تقویم دائمی پیش کی جا رہی ہے جو دراصل اصولی طریق کے مطابق تیار کی گئی ہے۔ جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی مدد سے کسی بھی معینہ ہجری تاریخ کا دن بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ پہلے سالوں کو ۲۱۰ پر تقسیم کریں۔ حاصل قسمت کو چھوڑ دیں۔ جو کچھ باقی بچے اسی سے غرض ہے۔

۲۔ اس باقی کو ادوارِ صغیر میں دیکھیں کہ کون سے دورِ صغیر میں آتا ہے۔ اس خانہ کے نیچے اور مطلوبہ سال کے سامنے مطلوبہ مہینے کا پہلا دن معلوم کر لیں۔

۳۔ اس پہلے دن سے معینہ تاریخ کا دن بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔

اب ہم پہلی ہی مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ ساتھ ہی ساتھ پڑتال بھی ہو جائے۔

مثال عـ۱ :۔ یکم جمادی الاولیٰ ۷۰۱ھ کو کونسا دن تھا؟

حل: (i) ۷۰۱ میں سے ۶۳۰ (۲۱۰ × ۳) نکال دیے باقی = ۷۱

(ii) ۷۱ کا سال تیسرے دور ۶۱ تا ۹۰ میں گیارھواں سال ہے۔

لہٰذا گیارھواں سال تیسرے دور کے نیچے اور جمادی الاولیٰ کے سامنے دیکھ لیجیے۔

منگل جواب

مثال عـ۲ :۔ ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۴۷ھ کو کونسا دن تھا؟

حل: (i) ۱۲۴۷ میں سے ۱۰۵۰ (۲۱۰ × ۵) نکال دیے تو باقی = ۱۹۷

(ii) ۱۹۷ کا سال ساتویں دور میں ۱۷واں سال ہے اور رمضان نواں مہینہ

لہٰذا ۱۷ویں سال میں ساتویں دور کے نیچے یکم رمضان دیکھ لیجیے۔ جمعہ ملے گا۔ ظاہر ہے اگر یکم رمضان کو جمعہ ہو گا تو ۸ اور ۱۵ رمضان کو بھی جمعہ ہی ہو گا۔

جمعہ جواب

مثال عـ۳ : ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کونسا دن ہو گا۔

حل :۔ (i) ۱۳۹۸ میں سے ۱۲۶۰ (۲۱۰ × ۶) نکال دیجیے باقی = ۱۳۸

(ii) ۱۳۸ پانچویں دور کا ۱۸واں سال ہے اور جمادی الآخرہ چھٹا مہینہ۔

لہٰذا ۱۸ویں سال میں پانچویں دور کے نیچے چھٹا مہینہ یکم جمادی الآخرہ دیکھیے منگل کا دن ملے گا۔

ظاہر ہے کہ یکم کو منگل ہو تو ۱، ۸، ۱۵، ۲۲ کو منگل اور ۲۳ کو بدھ ہو گا۔

بدھ جواب

ہجری تقویم دائمی ۳۰ سالہ دورِ صغیر پر مشتمل ہے۔ اوپر جو تین مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ گیارھویں، سترھویں اور اٹھارھویں سال سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں ہم صرف گیارھویں سال کی تقویم بطور نمونہ درج کرتے ہیں اور اس میں سے صرف اتنے حصہ پر اکتفا کرتے ہیں جس سے کسی معینہ تاریخ کا دن معلوم کرنے کا تعلق ہے۔

سال نمبر	نام مہینہ	تعداد ایام	۱ پہلا دور ۱ تا ۳۰	۲ دوسرا دور ۳۱ تا ۶۰	۳ تیسرا دور ۶۱ تا ۹۰	۴ چوتھا دور ۹۱ تا ۱۲۰	۵ پانچواں دور ۱۲۱ تا ۱۵۰	۶ چھٹا دور ۱۵۱ تا ۱۸۰	۷ ساتواں دور ۱۸۱ تا ۲۱۰
۱۱	محرم	۲۹	آتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل
	صفر	۳۰	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ	بدھ
	ربیع الاول	۲۹	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ
	ربیع الآخر	۳۰	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ
	جمادی الاولیٰ	۲۹	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ	بدھ	سوموار
	جمادی الآخرہ	۳۰	آتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل
	رجب	۲۹	منگل	آتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات
	شعبان	۳۰	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ
	رمضان	۲۹	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار
	شوال	۳۰	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ	بدھ	سوموار
	ذیقعدہ	۳۰	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعرات	بدھ
	ذی الحجہ	۲۹	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	آتوار	جمعہ

معذرت

: حالیہ شمارہ کتابت کی الجھنوں کی وجہ سے بادلِ نخواستہ دو ماہ کا مشترکہ شائع کرنا پڑتا ہے۔ ہم معیارِ کتابت قائم رکھنے کی غرض سے پرچہ منڈی وار برٹن (ضلع شیخوپورہ) بھیجتے تھے لیکن اس مرتبہ کاپیوں کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کیلئے چکروں کے باوجود پرچہ اتنا لیٹ ہوا کہ مجبوراً اسے دوماہی کرنا پڑا۔ جس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔

(منیجر)

تاریخ و سیر طالب ہاشمی

حضرت خنساءؓ بنت عمرو۔ ارثی العرب

(۱)

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ قادسیہ کا شمار عراق عرب کی سرزمین پر لڑی جانے والی نہایت خونریز اور فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں سلطنتِ ایران نے اپنے دو لاکھ آزمودہ کار جنگجو اور تین سو جنگی ہاتھی مسلمانوں کے مقابل لا کھڑے کیے دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کی کل تعداد صرف تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ ان میں سے بعض مجاہدین کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی جہاد میں حصہ لینے کے لیے قادسیہ آئے تھے۔ اس موقع پر ایک ضعیف العمر خاتون بھی جذبۂ جہاد سے سرشار اپنے چار نوجوان فرزندوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھیں۔ شب کے ابتدائی حصے میں جب ہر مجاہد آنے والی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا اس خاتون نے چاروں فرزندوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے یوں خطاب کیا۔

میرے بچو! تم اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اپنی خوشی سے تم نے ہجرت کی اسی ذاتِ لایزال کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل و رسوا کیا۔ تمہارا نسب بے عیب ہے اور تمہارا حسب بے داغ۔ خوب سمجھ لو کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی کارِ ثواب نہیں۔ آخرت کی دائمی زندگی دنیا کی فانی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا قف وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران۔ ع ۲۰)

(اے مسلمانو! صبر سے کام لو اور ثابت قدم رہو اور آپس میں مل کر رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ مراد کو پہنچو)

کل اللہ نے چاہا اور تم خیریت سے صبح کرو تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا کی نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑنا اور جب تم دیکھو کہ لڑائی کا تنور خوب گرم ہو گیا اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو تم خاص آتش دانِ جنگ میں گھس پڑنا اور راہِ حق میں دیوانہ وار تلوار چلاتا ہو سکے تو دشمن کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا۔ اگر کامیاب رہے تو بہتر اور اگر شہادت نصیب ہوئی تو یہ اس سے بھی بہتر کہ آخرت کی فضیلت کے مستحق ہو گے۔"

چاروں نونہالوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"اے مادرِ محترم! انشاء اللہ ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں گے اور آپ ہمیں ثابت قدم پائیں گی۔"

صبح جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو اس خاتون کے چاروں فرزند اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائے، رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے ایک ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

بزرگ خاتون، جس کے چہرے پر عجیب قسم کا جلال تھا، اپنے فرزندوں کو میدانِ رزم میں بھیج کر بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوئی۔

"الٰہی میری متاعِ عزیز یہی کچھ تھی، اب تیرے سپرد ہے۔"

اپنی ماں کی تقریر سن کر ان نوجوانوں کے دلوں میں رات ہی سے شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اب جو لڑائی کا موقع ملا تو ایسی وارفتگی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی جس طرف جھک پڑتے تھے۔ غنیم کے پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے۔ آخر دشمن کے سینکڑوں جنگجوؤں نے انھیں اپنے نرغے میں لے لیا۔ اس حالت میں بھی یہ سرفروش مطلق ہراساں نہ ہوئے اور دشمن کے بیسیوں سپاہیوں کو خاک و خون میں لوٹا کر خود بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

جب اس خاتون نے اپنے بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو نالہ و فریاد کرنے کے بجائے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئی اور اس کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے فرزندوں کے قتل سے مشرف کیا۔ باری تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔"

یہ ضعیف العمر خاتون جنھوں نے تسلیم و رضا اور صبر و تحمل کا ایسا مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی تھی، عرب کی عظیم مرثیہ گو حضرت خنساءؓ بنت عمرو تھیں۔

(۲)

حضرت خنساءؓ (الخنساء) کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق نجد کے قبیلہ بنو سُلَیم سے تھا جو بنو قیس بن عیلان کی ایک شاخ تھا۔ یہ قبیلہ اپنی شرافتِ نفس، جود و سخا اور شجاعت و ہمت کی بنا پر قبائلِ عرب میں امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔

"بلاشبہ ہر قوم کی ایک پناہ گاہ ہوتی ہے اور عرب کی پناہ قیس بن عیلان ہے۔"

حضرت خنساءؓ کا اصلی نام تُماضر تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

تماضر بنت عمرو (بن الحارث) بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیتہ بن خفاف بن امرأالقیس بن بہثہ بن سُلَیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ (عقصہ) بن قیس بن عیلان بن مضر۔

تماضر چونکہ بہت چست، ہوشیار اور خوبرو تھیں اس لیے خنساء کے لقب سے مشہور ہوئیں جس کے معنی ہرنی کے ہیں۔

مؤرخین نے حضرت خنساءؓ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کا والد عمرو بنو سُلَیم کا رئیس تھا اور اپنی وجاہت اور ثروت کی بنا پر بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس نے اپنی اولاد (خنساءؓ اور ان کے بھائیوں معاویہ و صخر) کی پرورش بڑے ناز و نعم سے کی یہاں تک کہ وہ بڑے ہو کر اعلیٰ خصائل کے مالک ہوئے۔ مبدأ فیاض نے خنساء کی فطرت میں ہی شعر و سخن کا ذوق ودیعت کیا تھا۔ چنانچہ وہ صغر سنی ہی میں کبھی کبھی دو چار شعر موزوں کر لیا کرتی تھیں رفتہ رفتہ شعور کی پختگی کے ساتھ ان کی شعری صلاحیتیں بھی ترقی کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ آگے

چل کر وہ ایک شہرہ آفاق مرثیہ گو شاعرہ کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ حضرت خنساءؓ کے عنفوانِ شباب کو پہنچنے سے پہلے ہی ان کے شفیق باپ کا انتقال ہو گیا۔ خنساءؓ کے لیے یہ ایک جانکاہ صدمہ تھا لیکن ان کے دونوں بھائیوں معاویہ اور صخر نے ایسی محبت اور دلسوزی کے ساتھ ان کی سرپرستی کی کہ وہ باپ کا غم بھول گئیں۔ اب ان کی محبت اور عقیدت کا مرجع دونوں بھائی تھے وہ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ اسی زمانے میں بنو جشم کے مشہور شہسوار، شاعر اور رئیس دُرَید بن الصِّمّہ نے خنساءؓ کو ان کے بھائی معاویہ کے ذریعے شادی کا پیغام دیا۔ خنساءؓ نے بعض وجوہ کی بنا پر یہ پیام قبول کرنے سے انکار کر دیا بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ دُرَید ایک معمر شخص تھا اور اس کی شکل و صورت بھی کچھ ایسی پسندیدہ نہیں تھی اس لیے خنساءؓ نے اسے دیکھ کر ناپسند کیا اور اس کے خلاف کچھ اشعار بھی کہے جس میں دُرَید اور اس کے قبیلے کا ذکر طنزیہ انداز میں کیا۔

اس کے بعد اپنے قبیلے کے ایک نوجوان عبدالعُزّٰی (یا بروایت ابن قتیبہ رواحہ بن عبدالعُزّٰی) سے شادی کی اس سے حضرت خنساءؓ کا ایک بیٹا ابوشجرہ عبداللہ پیدا ہوا۔ عبدالعزّٰی نے جلد ہی وفات پائی اس کے بعد خنساءؓ نے بنو سُلَیم ہی کے ایک دوسرے شخص مرداس بن ابی عامر سے نکاح کر لیا۔ اس سے ان کے تین بیٹے عمرو، زید اور معاویہ (یا بقول ابن حزم ہبیرہ، جزء اور معاویہ) پیدا ہوئے اور ان کے بعد ایک بیٹی عمرہ پیدا ہوئی۔ مرداس ایک بہادر اور حوصلہ مند آدمی تھا اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے ایک چشمے سے متصل دلدلی زمین کو قابلِ کاشت بنانے کی کوشش کی وہاں کی مرطوب آب و ہوا نے اس کی صحت پر برا اثر ڈالا اور وہ بخار میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

اس کے بعد خنساءؓ نے اپنی ساری زندگی بیوگی کی حالت میں کاٹ دی۔ ان کے بھائیوں معاویہ اور صخر نے بیوہ بہن کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور وہ دل جمعی کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہیں۔ اس زمانے میں وہ اپنا ذوقِ شعر و سخن بھی پورا کرتی رہتی تھیں۔ لیکن ان کا دائرہ شہرت محدود ہی رہا۔ جس واقعے نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور ان کے اشعار میں غضب کی تاثیر پیدا کر دی وہ ان کے دونوں مربّی بھائیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال تھا۔ مؤرخین نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ خنساءؓ کے بھائی معاویہ کا عکاظ کے میلے میں بنو مرہ کے ایک شخص ہاشم بن حرملہ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ہاشم

سے بدلہ لینے کے لیے اپنے اٹھارہ ساتھیوں کے ہمراہ قبیلہ مُرّہ پر دھاوا بول دیا۔ لڑائی کے دوران میں وہ ہاشم کے بھائی درید کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

اس کے بعد صخر نے اپنے بھائی (معاویہ) کے قتل کا انتقام لینے کی قسم کھائی۔ چنانچہ اس نے موقع پاکر دُرَید کو قتل کر دیا اور اس کے ایک سُلیمی ساتھی نے دُرَید کے بھائی ہاشم بن حرملہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن اس پر بھی صخر کی آتش انتقام سرد نہ ہوئی اور وہ بنو مرہ پر برابر حملے کرتا رہا۔ اس کشمکش کے دوران بنو مرّہ کے حلیف بنو اسد کے ایک شخص رُبَیعہ بن ثور نے صخر کو شدید زخمی کر دیا اور وہ کئی ماہ تک اپنے خیمے میں نیم جان پڑا رہا۔ حضرت خنساءؓ نے بڑی تندہی سے اپنے محبوب بھائی کی تیمارداری کی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ صخر بڑا شجاع، عاقل اور خوب صورت جوان تھا۔ حضرت خنساءؓ کو اس کی موت پر شدید صدمہ پہنچا۔ ان کے دل و دماغ میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی جس نے نہایت دردناک اور فصیح و بلیغ مرثیوں کی شکل اختیار کر لی۔ انھوں نے صخر کے فراق میں ایسے دلسوز اور جانگداز مرثیے کہے کہ جو سنتا اشکبار ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ان مرثیوں نے انھیں سارے عرب میں مشہور کر دیا اور نہ صرف عام لوگ بلکہ ان کے ہمعصر عرب شعراء بھی ان کی قادر الکلامی اور استادی کا لوہا مان گئے۔ انھوں نے صخر کی یاد میں جو مرثیے کہے ان کے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اے میری آنکھو! خوب آنسو بہاؤ اور ہرگز نہ رکو
کیا تم صخر جیسے سخی پر نہیں روؤ گی؟
کیا تم اس شخص پر نہیں روؤ گی جو نہایت جری اور جوانِ رعنا تھا۔
کیا تم اس سردار پر نہیں روؤ گی جو سر فند تھا اور جس کا پرتلہ بڑا لمبا تھا۔
جو کمسنی ہی میں اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا۔
قوم نے اس کی طرف اپنے ہاتھ دراز کیے تو اس نے بھی اپنے ہاتھ دراز کر لیے۔
اور ان بلندیوں پر پہنچ گیا جو لوگوں کے ہاتھوں سے بھی بلند تھیں۔
اور ایسی عزت و عظمت کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔
بزرگی اس کے گھر کا راستہ دکھاتی ہے۔
اگر شرافت اور عزت کا ذکر آئے تو دیکھو گے کہ
صخر نے عزت کی چادر اوڑھ لی ہے۔

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے۔

جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔

اس مرثیہ کے آخری شعر

وان صخرا لتأتم الهداة به كأنه علم في رأسه نار

کی تاثیر کا تو یہ عالم تھا کہ جو سنتا تھا دانتوں تلے انگلیاں داب لیتا تھا۔

درِ منثور میں ہے کہ حضرت خنساءؓ صخر کی قبر پر صبح و شام جا کر اس قسم کے دردناک اشعار پڑھا کرتیں اور زار زار رویا کرتیں۔

سورج جب نکلتا ہے تو وہ مجھے صخر کی یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ہر غروبِ آفتاب کے وقت بھی مجھے اس کی یاد آتی ہے۔

اگر میرے ارد گرد اپنے مرے ہوؤں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتی۔

اے صخر! اگر تو نے اب میری آنکھوں کو رلایا ہے تو کیا ہوا اس سے پہلے ایک لمبے عرصے تک تم مجھے ہنساتے بھی تو رہے ہو۔

تم زندہ تھے تو تمہارے طفیل میں آفات و حوادث کو دفع کر لیتی تھی افسوس کہ اب کون اس بڑی مصیبت کو دور کرے گا۔

بعض مقتولوں پر رونا اچھا نہیں لگتا لیکن تجھ پر رونا بے حد قابلِ ستائش ہے۔

(۳)

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب ربیع الاول سے ذیقعدہ تک مختلف مقامات پر بڑی دھوم دھام سے میلے لگایا کرتے تھے۔ بازار عکاظ کا میلا ان میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس میلے میں عرب قبائل کے تمام رؤسا اور ہر قسم کے اربابِ ہنر و کمال شامل ہوتے۔ قبائل کے نئے سردار چنے جاتے اور باہمی تنازعات کے فیصلے کیے جاتے۔ غرض یہ میلہ نہایت اہم اور مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ عرب کے کونے کونے سے ہر چھوٹا بڑا شاعر اس میں شریک ہوتا اور لوگوں کو اپنا کلام سناتا۔ حضرت خنساءؓ بھی بازارِ عکاظ کے اس اجتماع میں ہر سال شریک ہوتیں۔ جب ان کی آمد آمد ہوتی تو لوگ اس طرف ٹوٹ پڑتے اور ان کے اونٹ کے گرد گھیرا ڈال کر مرثیے سنانے کے لیے اصرار کرتے۔ جب وہ اپنے کسی مرثیہ کے چند

اشعار پڑھتیں۔ تو سامعین فرطِ رنج و الم سے دھاڑیں مار مار کر روتے۔ اور یہ سامعین کون ہوتے تھے انتہائی سنگدل اور خوفناک بدوی جنگجو جن کے لیے "قتل و غارت" محض ایک کھیل تھا۔ خنساءؓ کے اشعار سن کر ان کے دل پگھل جاتے اور سیلِ اشک ان کی آنکھوں سے رواں ہو جاتا۔ یہ سیلِ اشک ان میں جذبۂ انسانیت بیدار کرنے کا باعث بنتا۔

خنساءؓ کو اپنی زبان کے صرف و نحو پر کمال درجہ کا عبور تھا وہ اگرچہ تمام اصنافِ سخن میں مہارت تامہ اور یدِ طولیٰ رکھتی تھیں لیکن مرثیہ گوئی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ بازار عکاظ میں ان کے خیمہ کے دروازے پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے ہوتے تھے۔

الخنساء ـــــ ارثی العرب

(یعنی عرب کی سب سے بڑی مرثیہ گو خنساء)

بازارِ عکاظ میں عرب کا عظیم ترین شاعر نابغہ ذبیانی بھی آیا کرتا تھا۔ اس کے لیے سرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا جاتا تھا جو سارے میلے میں منفرد ہوتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے دور کے شاعروں میں مُسلَّم الثبوت استاد مانا جاتا تھا اور بڑے بڑے نامی شعراء اسے اپنے اشعار سنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ جب خنساء پہلی مرتبہ بازار عکاظ میں آئیں اور اپنے اشعار نابغہ کو سنائے تو وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

"واقعی تو عورتوں میں بڑی شاعرہ ہے اگر میں اس سے پہلے ابوبصیر (اعشیٰ) کے اشعار نہ سن لیتا تو تجھ کو اس زمانے کے تمام شعراء پر فضیلت دیتا اور کہہ دیتا کہ تو جن و انس سب سے افضل ترین شاعرہ ہے۔[۱]"

---

[۱] کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ بھی موجود تھے وہ جاہلی دور میں بھی عرب کے چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتے تھے اور اسلام لانے کے بعد تو انہیں "مداحِ رسول" اور شاعر دربارِ نبوتؐ کی حیثیت سے جو فضیلت اور عظمت حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہ واقعہ ان کی زندگی کے جاہلی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ خنساء کے بارے میں نابغہ کے الفاظ سن کر وہ غصے سے بے تاب ہو گئے اور تڑپ کر کہا

"تو نے غلط کہا خنساء سے بہتر میرے شعر ہیں۔ نابغہ نے خود جواب دینے (باقی اگلے صفحہ پر)

رفتہ رفتہ خنساءؓ کی شاعرانہ عظمت کا چرچا تمام عرب میں پھیل گیا اور نہ صرف ان کے ہم عصر بلکہ بعد کے فحول شعرائے عرب نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کیا۔ حضرت خنساءؓ کے شعر کہنے کا اسلوب سادہ لیکن نہایت دلکش اور اثر انگیز ہے۔ فی الحقیقت فخریہ شعر کہنے اور مرثیہ میں تو مشکل ہی سے کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ علامہ ابن اثیر کہتے ہیں کہ "تمام علمائے شعر و سخن اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بھی عورت شعر گوئی میں خنساء کے برابر نہیں ہوئی نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد" (اسد الغابہ)

لیلیائے اخیلیہ کو اپنے دور کی سب سے بڑی عرب شاعرہ مانا گیا ہے لیکن ابن قتیبہ کے نزدیک اس کو خنساءؓ پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی کتاب طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں:

"لیلائے اخیلیہ عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے جس پر کسی کو تفوق حاصل نہیں سوائے خنساءؓ کے"

بنو امیہ کے دور کے مشہور شاعر جریر (متوفی ۱۱۰ھ) سے ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا، سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خنساء نہ ہوتی تو میں ہی سب سے بڑا شاعر تھا۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) کے بجائے خنساء کی طرف دیکھا، انھوں نے حسانؓ سے مخاطب ہو کر کہا "تمہیں اپنے قصیدہ کے کس شعر پر سب سے زیادہ ناز ہے؟" حسانؓ نے یہ شعر پڑھا۔

لنا الجفنات الغر یلمعن فی الضحیٰ ۔۔۔ واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

(یعنی ہمارے پاس بڑے بڑے صاف شفاف برتن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری تلواریں بلندی سے خون ٹپکاتی ہیں)

حضرت خنساءؓ نے فوراً کہا، یہ شعر سات آٹھ جگہوں پر بلندی سے گر گیا ہے۔ جفنات کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اس کی جگہ جفان بہتر تھا۔ غر پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں اس کے بجائے بیض کا لفظ موزوں تھا۔ یلمعن ایک عارضی چمک کو کہتے ہیں اس کے بجائے یشرقن بہتر تھا۔ کیونکہ اشراق، لمعان سے زیادہ دیرپا ہے۔ ضحیٰ سے دجیٰ بہتر تھا کیونکہ روشنی سیاہی میں زیادہ قابل وقعت ہوتی ہے۔ اسیاف جمع قلت کا صیغہ ہے، سیوف کہنا چاہیے تھا۔ یقطرن میں وہ خوبی نہیں جو یسلن میں ہے اسی طرح بمقابلہ لفظ دم کے دماء میں کثرت کا مفہوم ہے۔ حضرت حسانؓ خنساءؓ کے اعتراضات سن کر خاموش ہو گئے۔

بشار بن برد نہ صرف خود ایک بہت بڑا شاعر تھا بلکہ کمال درجے کا سخن فہم بھی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب میں عورتوں کے اشعار دیکھتا ہوں تو ان میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور پاتا ہوں۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس سے پوچھا، کیا خنساءؓ کے اشعار بھی خامی سے پاک نہیں؟ اس نے جواب دیا،

"وہ تو مردوں سے بھی بڑھ گئی ہے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ عہد بنی امیہ کا مشہور شاعر اخطل (جو اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی بدولت نابغہ ذبیانی کا ہم رتبہ شمار ہوتا ہے) ایک مرتبہ عبد الملک بن مروان کے دربار میں گیا اور ایک مدحیہ قصیدہ پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ عبد الملک ایک صاحب علم اور سخن فہم شخص تھا اس نے جواب دیا۔ اگر تم مجھے شیر اور سانپ سے تشبیہ دینا چاہتے ہو تو میں تمہارے شعر نہیں سنوں گا ہاں اگر تم خنساءؓ کے کلام جیسے اشعار پیش کرنا چاہتے ہو تو کرو۔

(۴)

حضرت خنساءؓ کا آغاز پیری تھا کہ فاران کی چوٹیوں سے آفتاب رسالت طلوع ہوا اور عرب کا گوشہ گوشہ اس کے نور سے جگمگانے لگا۔ لیکن وائے بدبختی کہ اہل مکہ میں سے اکثر نے اس رہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور حق کے چراغ کو پھونکوں سے بجھانے کے لیے کوئی سر اٹھا نہ رکھی۔ یہ چراغ جسے خود اللہ تعالیٰ نے روشن کیا تھا ان سے کیا بجھنا تھا البتہ اپنے لوتوں کے باعث وہ عارضی طور پر اس کی برکات و انوار سے محروم ہو گئے۔ دوسری طرف تین سو میل دور اہل یثرب کی قسمت میں یہ سعادتِ عظمیٰ لکھی ہوئی تھی کہ انھوں نے اس متاعِ بے بہا کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیے اور اپنی جانوں اور مالوں کو مکہ کے دُرِّ یتیم کے قدموں میں لا ڈالا چنانچہ جب یثرب حضورؐ کے نزولِ اجلال کے بعد مدینۃ النبیؐ بن گیا تو اسلام کو ایک مرکز میسر آ گیا اور پیغام حق آہستہ آہستہ عرب کے تمام اطراف و اکناف میں پھیلنے لگا۔ حضرت خنساءؓ کے کانوں میں بھی اس پیغام کی بھنک پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ یہ پیغام سنتے ہی دل و دماغ کی دنیا بدل گئی ...... اپنے قبیلے کے چند لوگوں کو ساتھ لیا منزلوں پہ منزلیں مارتی مدینہ منورہ پہنچیں اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہو گئیں۔ علامہ ابن اثیرؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک ان کا فصیح و بلیغ

کلام سنتے رہے وہ سناتی جاتی تھیں اور حضورؐ فرماتے تھے "شاباش اے خنساءؓ"

قبولِ اسلام کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں واپس تشریف لے گئیں اور لوگوں کو پیغامِ رسالت پہنچا کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ زبان میں بڑی تاثیر تھی چنانچہ بے شمار لوگوں نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً مدینہ منورہ آتیں اور رحمتِ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوتیں۔

(۵)

اسلام لانے کے بعد بھی حضرت خنساءؓ کے دل سے اپنے محبوب بھائیوں بالخصوص صخر کی یاد محو نہ ہو سکی۔ وہ ایامِ جاہلیت کے دستور کے مطابق صخر کے سوگ میں ہمیشہ اپنے سر پہ بالوں کا ایک گچھا (یا سر بند) باندھے رہتی تھیں۔ علامہ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا کہ حضرت خنساءؓ کعبہ کا طواف کر رہی ہیں اور سر پر سوگ کی علامت کے طور پر سر بند باندھ رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بلا کر فرمایا کہ اسلام اس قسم کے سوگ کی اجازت نہیں دیتا، انھوں نے عرض کیا "امیر المومنین کسی عورت پر غم والم کا ایسا پہاڑ نہ ٹوٹا ہو گا میں اسے کیسے برداشت کروں؟" حضرت عمرؓ نے انھیں دلاسا دیتے ہوئے فرمایا "اس دنیا میں لوگوں کو اس سے بھی بڑے مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ تم ان کے دلوں میں جھانک کر تو دیکھو۔ جس چیز کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اس کو اختیار کرنا معصیت ہے"

اس کے بعد حضرت خنساءؓ نے سوگ کی علامت ترک کر دی لیکن صخر کو بھلانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس کی یاد میں ان کا رونا دھونا برابر جاری رہا لیکن اب اس نے دوسری صورت اختیار کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ اس قسم کے شعر پڑھا کرتی تھیں۔

كنت ابكي له من الثار وانا اليوم ابكي له من النار

یعنی پہلے تو میں صخر کو بدلہ لینے کی خاطر رویا کرتی تھی اور اب اس لیے روتی ہوں کہ وہ (قتل ہو گیا اور) اسلام نہ لا سکا اور) اب جہنم کی آگ میں جلتا ہو گا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت خنساءؓ کبھی کبھار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، ان کے سر پر ہمیشہ بالوں کا ایک گچھا بندھا ہوتا جو عرب میں انتہائے غم کا مظہر ہوتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس طرح کا سر بند باندھ کر سوگ منانا اسلام میں منع ہے۔ حضرت خنساءؓ نے جواب دیا "ام المومنین

یہ سربند باندھنے کی ایک خاص وجہ ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ وہ کیا؟

حضرت خنساءؓ نے کہا: "ام المومنین میرا خاوند انتہائی فضول خرچ اور قمار باز تھا۔ اس نے اپنا تمام زر و مال جوئے میں ہار دیا اور ہم دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ جب میرے بھائی صخر کو میری حالت کا پتہ چلا تو اس نے اپنے تمام مال کا بہترین نصف مجھے دے دیا۔ جب میرے شوہر نے اسے بھی ضائع کر دیا تو میرے بھائی نے اپنے بقایا کا بہترین نصف پھر مجھے دے دیا۔ صخر کی بیوی اس پر معترض ہوئی کہ تم اپنے مال کا بہترین حصہ اپنی بہن کو دیتے ہو اور اس کا شوہر اسے قمار بازی میں تلف کر دیتا ہے۔ یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا۔

میرے بھائی نے جواب دیا۔ "خدا کی قسم میں اپنی بہن کو اپنے مال کا بدترین حصہ نہیں دوں گا۔ وہ پاک دامن ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں اس کے ننگ و عار کا لحاظ رکھوں۔ اگر میں مر جاؤں گا تو وہ اپنی اوڑھنی میرے غم میں چاک کر ڈالے گی اور میرے سوگ میں اپنے سر پر بالوں کا سربند باندھے گی۔"

چنانچہ میں یہ سربند اپنے شجاع اور سخی بھائی کی یاد میں باندھتی ہوں۔

بہر صورت حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تنبیہ کے بعد انھوں نے یہ سربند باندھنا چھوڑ دیا اور رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئیں۔

(۶)

حضرت خنساءؓ کی زندگی کا سب سے تابناک واقعہ وہ ہے جس میں وہ اپنے چاروں بیٹوں کو ساتھ لے کر جنگ قادسیہ میں شریک ہوئیں، اس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ یہ چاروں بچے ان کا عصائے پیری تھے (بالخصوص بعض اہل سیر کے اس بیان کے پیش نظر کہ شدت غم اور کثرت الم سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں) لیکن جب ان چاروں کی شہادت کی خبر سنی تو جزع فزع کے بجائے ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔ الحمد للہ الذی شرفنی بقتلھم ...... اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ان کے (راہ خدا میں) قتل ہونے کا شرف بخشا۔

یہ الفاظ ان کے ایمانِ محکم اور صبر و رضا پر دال ہیں۔

حضرت خنساءؓ کے یہ بچے جنگِ قادسیہ سے پہلے بھی کئی دوسری لڑائیوں میں دادِ شجاعت

دے چکے تھے اور حکومت کی طرف سے ہر ایک کے نام دو سو درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ وظیفہ حضرت خنساءؓ کے نام منتقل کر دیا۔

اسلام کی اس جلیل القدر خاتون نے ایک روایت کے مطابق جنگِ قادسیہ کے سات سال بعد ۲۴ھ میں وفات پائی اور ایک دوسری روایت کے مطابق انھوں نے امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں کسی بادیہ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر الصحابیات میں لکھا ہے کہ حضرت خنساءؓ کا ضخیم دیوان مع شرح ۱۸۸۸ء میں بیروت سے چھپا۔ اس میں حضرت خنساءؓ کے علاوہ ساٹھ ۶۰ دوسری خواتین کے کہے ہوئے مرثیے بھی شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

مولانا محمد نعیم ندوی صدیقی (اعظم گڑھ) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حضرت خنساءؓ کے دیوان کی شرح ایک عیسائی "الاب لویس الیسوعی" نے انیس الجلساء کے نام سے لکھی تھی۔ یہ شرح مطبع کاتولیکیہ بیروت سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔ اسے دیوانِ خنساءؓ کے ۶ قدیم قلمی نسخوں سے پوری صحت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے اس کے شروع میں ایک مبسوط اور وقیع مقدمہ بھی ہے جو بجائے خود ایک خاصے کی چیز ہے (ماہنامہ فاران کراچی۔ جولائی ۱۹۶۷ء)

اگرچہ حضرت خنساءؓ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے لیکن ان کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آخر جن کے حسنِ کلام کی خود سید المرسلین رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف و تحسین فرمائی ہو ان کی جلالتِ قدر اور علوِ مرتبت میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے؟ اور پھر حضرت خنساءؓ نے راہِ حق میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کی شہادت پر جس بے مثال صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اس نے بلا شبہ ان کے نام کو جریدۂ عالم پر دوام کا مستحق بنا دیا۔ ملتِ اسلامیہ اگر تا ابد ان پر ناز کرتی رہے تو وہ بجا طور پر اس کی مستحق ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

تبدیلئ ٹیلی فون

ماڈل ٹاؤن، گارڈن ٹاؤن اور گلبرگ لاہور کے ایکسچینج نمبر بدلنے سے محدث اور متعلقہ اداروں کے بعض بعض فون نمبر بدل گئے ہیں جو اب یہ ہیں:۔

محدث (شعبۂ ادارت) ~~۳۵۲۸۹۷~~ ۸۵۲۸۹۷، مدرسہ رحمانیہ ~~۳۵۴۲۵۰~~ ۸۵۴۲۵۰

مثال ۳:- ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کون سا دن ہوگا۔

حل: (i) پہلے ۴۶ سال = -۱ دن

(ii) اگلے ۱۱ دورِ کبیر (۱۱×۱۲۰) ۱۳۲۰ سال = -۱۱ = -۴ دن

(iii) اگلے ۸ سال = صفر دن

(iv) " ۵ سال / ۱۳۹۷ = ۴×۵ = ۲۰ + ۲ لیپ = ۲۲ = ۱ دن

(v) ۲۳ جمادی الآخرہ تک

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر
۲ ۱ ۲ ۱
جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ
۲ ۲۳ یا ۲
= ۱۰ دن

کل دن = ۱۱ - ۵ = ۶

جمعہ سے شروع کرنے سے مطلوبہ دن بدھوار ہوگا۔

اب ہم یہ دیکھیں گے کہ مشاہداتی طریق اور اصولی طریق آپس میں کیسے مطابق ہو جاتے ہیں اس وضاحت کے لیے درج ذیل اشارات پر غور فرمائیے۔

یکم محرم الحرام ۱ھ کو جمعہ تھا۔ لہٰذا اصولی طریق کے مطابق یکم محرم ۲۱۱ھ کو جمعہ ہوگا۔
اور مشاہداتی طریق سے۔

پہلے ۴۶ سال کے لیے = -۱ دن

اگلے ۱۲۰ سال کے لیے = -۱ "

اگلے ۴۲ سال (۳ دورِ صغیر) کے لیے = صفر دن

باقی ۲ سال (۲۱۰ تک) = ۴×۲ = ۸ + ۱ لیپ کا

= کل ۹ دن = ۲ دن

یہ منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم الحرام ۲۱۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔ اسی طرح اصولی طریق کے مطابق یکم محرم ۲۲۱ھ کو جمعہ ہے تو مشاہداتی طریق سے:-

پہلے ۴۶ سال کے لیے = - ۱ دن
اگلے ۲۴۰ سال (۲ دورِ کبیر) کے لیے = - ۲ "
اگلے ۱۱۲ سال (۴ دورِ صغیر) کے لیے = صفر "
باقی ۴ سال (۴۲۰ تک) = ۴×۴ = ۱۶ + ۱ دن لیپ
= ۱۷ دن = ۳ دن

گویا منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم الحرام ۴۲۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔
علیٰ ہذا القیاس بطریقِ اصولی یکم محرم الحرام ۶۳۱ھ کو جمعہ ہے تو مشاہداتی طریق سے :-

پہلے ۴۶ سال کے لیے = - ۱ دن
اگلے ۴۸۰ سال (۴ دورِ کبیر) = - ۴ "
اگلے ۸۰ سال (۱۰ دورِ صغیر) = صفر دن
باقی ۶ سال (۶۳۰ تک) = ۶×۴ = ۲۴ + ۲ لیپ کے دن
= ۲۶ = ۵ دن

یہاں بھی منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے۔ لہٰذا یکم محرم ۶۳۱ھ کو جمعہ ہوگا۔
اب یکم محرم ۱۲۶۱ھ کو بھی اصولی طریق سے جمعہ ہے۔ اُس کا حساب یوں ہوگا۔

پہلے ۴۶ سال کے لیے = - ۱ دن
اگلے ۱۰۸۰ سال (۹ دورِ کبیر) = - ۹ یا - ۲
اگلے ۱۱۲ سال (۴ دورِ صغیر) = صفر دن
باقی ۴ سال (۱۲۶۰ تک) = ۴×۴ = ۱۶ + ۱ لیپ کا دن
= ۱۷ یا ۳ دن

یہاں بھی منفی اور جمع کے دن برابر ہو گئے لہٰذا یکم محرم ۱۲۶۱ھ کو جمعہ ہی ہوگا۔

۳۔ بذریعہ ہجری تقویم دائمی دن معلوم کرنے کا طریقہ

اگلے باب میں ایک کثیر الفوائد ہجری تقویم دائمی پیش کی جا رہی ہے جو دراصل اصولی طریق کے مطابق تیار کی گئی ہے۔ جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی مدد سے کسی بھی معینہ ہجری تاریخ کا دن بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ :-

۱۔ پہلے سالوں کو ۲۱۰ پر تقسیم کریں۔ حاصل قسمت کو چھوڑ دیں۔ جو کچھ باقی بچے اسی سے غرض ہے۔

۲۔ اس باقی کو ادوارِ صغیر میں دیکھیں کہ کون سے دورِ صغیر میں آتا ہے۔ اس خانہ کے نیچے اور مطلوبہ سال کے سامنے مطلوبہ مہینے کا پہلا دن معلوم کرلیں۔

۳۔ اس پہلے دن سے معینہ تاریخ کا دن بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔

اب ہم پہلی ہی مثالیں یہاں پیش کرتے ہیں تاکہ ساتھ ہی ساتھ پڑتال بھی ہو جائے۔

مثال ۱: یکم جمادی الاولیٰ ۱۰۰۱ھ کو کونسا دن تھا؟

حل: (i) ۱۰۰۱ میں سے ۶۳۰ (۶ × ۲۱۰) نکال دیے باقی = ۷۱

(ii) ۷۱ کا سال تیسرے دور ۶۱ تا ۹۰ میں گیارھواں سال ہے۔

لہٰذا گیارھواں سال تیسرے دور کے نیچے اور جمادی الاولیٰ کے سامنے دیکھ لیجیے۔

منگل جواب

مثال ۲: ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۴۷ھ کو کونسا دن تھا؟

حل: (i) ۱۲۴۷ میں سے ۱۰۵۰ (۵ × ۲۱۰) نکال دیے تو باقی = ۱۹۷

(ii) ۱۹۷ کا سال ساتویں دور میں ۱۷ واں سال ہے اور رمضان نواں مہینہ

لہٰذا ۱۷ ویں سال میں ساتویں دور کے نیچے یکم رمضان دیکھ لیجیے۔ جمعہ ملے گا۔ ظاہر ہے اگر یکم رمضان کو جمعہ ہوگا تو ۸ اور ۱۵ رمضان کو بھی جمعہ ہی ہوگا۔

جمعہ جواب

مثال ۳: ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۹۸ھ کو کونسا دن ہوگا۔

حل: (i) ۱۳۹۸ میں سے ۱۲۶۰ (۶ × ۲۱۰) نکال دیجیے باقی = ۱۳۸

(ii) ۱۳۸ پانچویں دور کا ۱۸ واں سال ہے اور جمادی الآخرہ چھٹا مہینہ

لہٰذا ۱۸ ویں سال میں پانچویں دور کے نیچے چھٹا مہینہ یکم جمادی الآخرہ دیکھیے منگل کا دن ملے گا۔

ظاہر ہے کہ یکم کو منگل ہو تو ۸، ۱۵، ۲۲ کو منگل اور ۲۳ کو بدھ ہوگا۔

بدھ جواب

ہجری تقویم دائمی ۳۰ سالہ دورِ صغیر پر مشتمل ہے۔ اوپر جو تین مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ گیارھویں، سترھویں اور اٹھارھویں سال سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں ہم صرف گیارھویں سال کی تقویم بطور نمونہ درج کرتے ہیں اور اس میں سے صرف اتنے حصہ پر اکتفا کرتے ہیں جس سے کسی معینہ تاریخ کا دن معلوم کرنے کا تعلق ہے۔

سال نمبر	نام مہینہ	تعداد ایام	۱ پہلا دور ۱ تا ۳۰	۲ دوسرا دور ۳۱ تا ۶۰	۳ تیسرا دور ۶۱ تا ۹۰	۴ چوتھا دور ۹۱ تا ۱۲۰	۵ پانچواں دور ۱۲۱ تا ۱۵۰	۶ چھٹا دور ۱۵۱ تا ۱۸۰	۷ ساتواں دور ۱۸۱ تا ۲۱۰
۱۱	محرم	۲۹	اتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل
	صفر	۳۰	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ	بدھ
	ربیع الاول	۲۹	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ
	ربیع الآخر	۳۰	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ
	جمادی الاولیٰ	۲۹	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ	بدھ	سوموار
	جمادی الآخرہ	۳۰	اتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل
	رجب	۲۹	منگل	اتوار	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات
	شعبان	۳۰	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ
	رمضان	۲۹	جمعہ	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار
	شوال	۳۰	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ	بدھ	سوموار
	ذیقعدہ	۳۰	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعرات	بدھ
	ذی الحجہ	۲۹	بدھ	سوموار	ہفتہ	جمعرات	منگل	اتوار	جمعہ

معذرت

: حالیہ شمارہ کتابت کی الجھنوں کی وجہ سے بادلِ ناخواستہ دو ماہ کا مشترکہ شائع کرنا پڑتا ہے۔ ہم معیارِ کتابت قائم رکھنے کی غرض سے پرچہ منڈی وار برٹن ضلع شیخوپورہ بھیجتے تھے لیکن اس مرتبہ کاپیوں کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کیلئے چکروں کے باوجود پرچہ اتنا لیٹ ہوا کہ مجبوراً اسے دو ماہی کرنا پڑا جس پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔

(منیجر)

تاریخ و سیر طالب ہاشمی

حضرت خنساءؓ بنت عمرو۔ ارثی العرب

(۱)

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جنگ قادسیہ کا شمار عراق عرب کی سرزمین پر لڑی جانے والی نہایت خونریز اور فیصلہ کن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں سلطنتِ ایران نے اپنے دو لاکھ آزمودہ کار جنگجو اور تین سو جنگی ہاتھی مسلمانوں کے مقابل لا کھڑے کیے دوسری طرف مجاہدین اسلام کی کل تعداد صرف تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ ان میں سے بعض مجاہدین کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی جہاد میں حصہ لینے کے لیے قادسیہ آئے تھے۔ اس موقع پر ایک ضعیف العمر خاتون بھی جذبۂ جہاد سے سرشار اپنے چار نوجوان فرزندوں کے ساتھ میدان جنگ میں موجود تھیں۔ شب کے ابتدائی حصے میں جب ہر مجاہد آنے والی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا اس خاتون نے چاروں فرزندوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے یوں خطاب کیا۔

میرے بچو! تم اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اپنی خوشی سے تم نے ہجرت کی اسی ذاتِ لایزال کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل و رسوا کیا۔ تمہارا نسب بے عیب ہے اور تمہارا حسب بے داغ۔ تو سب سمجھ لو کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی کارِ ثواب نہیں۔ آخرت کی دائمی زندگی دنیا کی فانی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران - ع ۲۰)

(اے مسلمانو! صبر سے کام لو اور ثابت قدم رہو اور آپس میں مل کر رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ مراد کو پہنچو)

کل اللہ نے چاہا اور تم خیریت سے صبح کرو تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا کی نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑنا اور جب تم دیکھو کہ لڑائی کا تنور خوب گرم ہو گیا اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو تم خاص آتش دانِ جنگ میں گھس پڑنا اور راہِ حق میں دیوانہ وار تلوار چلانا ہو سکے تو دشمن کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا۔ اگر کامیاب رہے تو بہتر اور اگر شہادت نصیب ہوئی تو یہ اس سے بھی بہتر کہ آخرت کی فضیلت کے مستحق ہو گے۔"

چاروں نونہالوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"اے مادرِ محترم! انشاء اللہ ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں گے اور آپ ہمیں ثابت قدم پائیں گی۔"

صبح جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو اس خاتون کے چاروں فرزند اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائے، رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے ایک ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

بزرگ خاتون، جس کے چہرے پر عجیب قسم کا جلال تھا، اپنے فرزندوں کو میدانِ رزم میں بھیج کر بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوئی۔

"الٰہی میری متاعِ عمر۔ یہی کچھ تھی، اب تیرے سپرد ہے۔"

اپنی ماں کی تقریر سن کر ان نوجوانوں کے دلوں میں رات ہی سے شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اب جو لڑائی کا موقع ملا تو ایسی وارفتگی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفریں پکار اٹھی جس طرف جھک پڑتے تھے۔ غنیم کے پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے۔ آخر دشمن کے سینکڑوں جنگجوؤں نے انھیں اپنے نرغہ میں لے لیا۔ اس حالت میں بھی یہ سرفروش مطلق ہراساں نہ ہوئے اور دشمن کے بیسیوں سپاہیوں کو خاک و خون میں لٹا کر خود بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

جب اس خاتون نے اپنے بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو نالہ و فریاد کرنے کے بجائے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئی اور اس کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے فرزندوں کے قتل سے مشرف کیا۔ باری تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔"

یہ ضعیف العمر خاتون جنھوں نے تسلیم و رضا اور صبر و تحمل کا ایسا مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی تھی، عرب کی عظیم مرثیہ گو حضرت خنساءؓ بنت عمرو تھیں۔

(۲)

حضرت خنساءؓ (الخنساء) کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق نجد کے قبیلہ بنو سُلَیم سے تھا جو بنو قیس بن عیلان کی ایک شاخ تھا۔ یہ قبیلہ اپنی شرافتِ نفس، جود و سخا اور شجاعت و ہمت کی بنا پر قبائلِ عرب میں امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔

"بلاشبہ ہر قوم کی ایک پناہ گاہ ہوتی ہے اور عرب کی پناہ قیس بن عیلان ہے۔"

حضرت خنساءؓ کا اصلی نام تُماضِر تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

تماضر بنت عمرو (بن الحارث) بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیتہ بن خفاف بن امرأ القیس بن بہثہ بن سُلَیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ (عقصہ) بن قیس بن عیلان بن مضر۔

تماضر چونکہ بہت چست ہوشیار اور خوبرو تھیں اس لیے خنساء کے لقب سے مشہور ہوئیں جس کے معنی ہرنی کے ہیں۔

مؤرخین نے حضرت خنساء کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کا والد عمرو بنو سُلَیم کا رئیس تھا اور اپنی وجاہت اور ثروت کی بنا پر بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس نے اپنی اولاد (خنساءؓ اور ان کے بھائیوں معاویہ و صخر) کی پرورش بڑے ناز و نعم سے کی یہاں تک کہ وہ بڑے ہو کر اعلیٰ خصائل کے مالک ہوئے۔ مبدأ فیاض نے خنساء کی فطرت میں ہی شعر و سخن کا ذوق ودیعت کیا تھا۔ چنانچہ وہ صغر سنی ہی میں کبھی کبھی دو چار شعر موزوں کر لیا کرتی تھیں رفتہ رفتہ شعور کی پختگی کے ساتھ ان کی شعری صلاحیتیں بھی ترقی کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ آگے

چل کر وہ ایک شہرہ آفاق مرثیہ گو شاعرہ کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ حضرت خنساءؓ کے عنفوانِ شباب کو پہنچنے سے پہلے ہی ان کے شفیق باپ کا انتقال ہو گیا۔ خنساءؓ کے لیے یہ ایک جانکاہ صدمہ تھا لیکن ان کے دونوں بھائیوں معاویہ اور صخر نے ایسی محبت اور دلسوزی کے ساتھ ان کی سرپرستی کی کہ وہ باپ کا غم بھول گئیں۔ اب ان کی محبت اور عقیدت کا مرجع دونوں بھائی تھے وہ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ اسی زمانے میں بنو ہوازن کے مشہور شہسوار، شاعر اور رئیس دُرَید بن الصِّمَّہ نے خنساءؓ کو ان کے بھائی معاویہ کے ذریعے شادی کا پیغام دیا۔ خنساءؓ نے بعض وجوہ کی بنا پر یہ پیام قبول کرنے سے انکار کر دیا بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ دُرَید ایک معمر شخص تھا اور اس کی شکل و صورت بھی کچھ ایسی پسندیدہ نہیں تھی اس لیے خنساءؓ نے اسے دیکھ کر ناپسند کیا اور اس کے خلاف کچھ اشعار بھی کہے جس میں دُرَید اور اس کے قبیلے کا ذکر طنزیہ انداز میں کیا۔

اس کے بعد اپنے قبیلے کے ایک نوجوان عبد العزّٰی (یا بروایت ابن قتیبہ رواحہ بن عبد العزّٰی) سے شادی کی اس سے حضرت خنساءؓ کا ایک بیٹا ابو شجرہ عبد اللہ پیدا ہوا۔ عبد العزّٰی نے جلد ہی وفات پائی اس کے بعد خنساءؓ نے بنو سُلَیم ہی کے ایک دوسرے شخص مرداس بن ابی عامر سے نکاح کر لیا۔ اس سے ان کے تین بیٹے عمرو، زید اور معاویہ (یا بقول ابن حزم ہبیرہ، جزء اور معاویہ) پیدا ہوئے اور ان کے بعد ایک بیٹی عمرہ پیدا ہوئی۔ مرداس ایک بہادر اور حوصلہ مند آدمی تھا اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے ایک چشمے سے متصل دلدلی زمین کو قابلِ کاشت بنانے کی کوشش کی وہاں کی مرطوب آب و ہوا نے اس کی صحت پر برا اثر ڈالا اور وہ بخار میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

اس کے بعد خنساءؓ نے اپنی ساری زندگی بیوگی کی حالت میں کاٹ دی۔ ان کے بھائیوں معاویہ اور صخر نے بیوہ بہن کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور وہ دل جمعی کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہیں۔ اس زمانے میں وہ اپنا ذوقِ شعر و سخن بھی پورا کرتی رہتی تھیں۔ لیکن ان کا دائرہ شہرت محدود ہی رہا۔ جس واقعے نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور ان کے اشعار میں غضب کی تاثیر پیدا کر دی وہ ان کے دونوں مربی بھائیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال تھا۔ مؤرخین نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ خنساءؓ کے بھائی معاویہ کا عکاظ کے میلے میں بنو مرہ کے ایک شخص ہاشم بن حُرمُلہ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ہاشم

Regd. No. L : 7895 Phone : 852897

'MUHADDIS' Lahore

* عناد اور تعصّب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں — لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمّت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
* علومِ جدیدہ سے ناواقفیّت اور انکار، انسانی ارتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں — لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمّت کی تباہی کا سبب ہے۔
* غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے — لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا، حمیّت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
* تبلیغِ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیّہ کے خلاف ہے — لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
* آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے — لیکن
ع جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
* جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے — لیکن جاہلیّت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

◎

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

مُحدِّث

کا مطالعہ فرمایئے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزیّن پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL : 99 (J) MODEL TOWN, LAHORE-14